قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

انتیسواں وعظ مسمّٰی بہ

الاعتصام بحبل اللہ

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام رشدی و مولائی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

ماہ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع کیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی

الاعتصام بحبل اللہ

الاشتات	المستمعون	من ضبط	لم	ماذا	کیف	متی	کم	این
متفرقات	سامعین کس قدر تھے	کس نے لکھا	کس لئے ہوا	کیا مضمون تھا	کس طرح ہوا	کس تاریخ ہوا	کس قدر ہوا	کہاں ہوا
×	[illegible]	سعید احمد	[illegible]	[illegible]	کھڑے ہو کر	[illegible]	[illegible]	[illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا فمن یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا - واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم
اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً - وکنتم علی شفا حفرۃ
من النار فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تہتدون
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر
اولئک ہم المفلحون ولا تکونوا کالذین تفرقوا - واختلفوا من بعد ما جاء
ہم البینات واولئک لہم عذاب عظیم یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ
فاما الذین اسودت وجوہہم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب
بما کنتم تکفرون واما الذین ابیضت وجوہہم ففی رحمۃ اللہ ہم
فیہا خالدون -

جس تقریب کے متعلق یہ جلسہ ہے اُس کے متعلق سب سے اول یہ امر ہے کہ ہم غرض جلسہ کے مقابل سے بالکل خالی الذہن تھے اوس جانب مخالف کا ہمکو کچھ وہم وگمان نہ تھا واقعات مسموعہ سابقہ ذہن نشین تھے یکطرفہ حالات ذہن میں متمکن تھے اس کے بعد روایات سے دگرگوں حالات معلوم ہوئے اور پہلے فوائد میں مفاسد کی جھلک آنے لگی جس سے تردد پیدا ہوا یعنی مخالفت کا قصہ سنا جس سے علم بدلا اور چونکہ مشورہ علم پر مرتب ہوتا ہے اس لئے پہلے اور مشورہ تھا اور اب دوسرا مشورہ ہوا - البتہ تحقیق واقعات سے ایک شق کو ترجیح ہوسکتی تھی سو میں نے واقعات کی تحقیق نہیں کی اور حالات کے انکشاف میں سعی سے کام نہیں لیا کیونکہ اوس کا کوئی وسیلہ و ذریعہ نہ تھا نہ مجھکو اس کی کچھ احتیاج بھی نہیں تھی لیکن محض اسلام کے خیرخواہی سے میں نے اپنی رائے کی حالت ظاہر کردی کیونکہ مقصود تو فقط دین کی خدمت ہے جس طرح ہوسکے باقی سب امور ناقابل التفات ہیں میرا مضمون اس رائے بدلنے سے پہلے اور تھا اوس میں اور قسم کے مصالح تھے اور اُسی کے متعلق ذہن میں ایک خاص مضمون تھا اب تبدیل رائے سے مضمون بھی متبدل ہوا جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اُس کا مضمون تبدیل رائے کے بعد کا ہے -

مضمون اول بھی بالکل حق تھا اور یہ مضمون بھی بالکل صادق و مطابق واقع کے ہے کیونکہ دونوں مضمون قرآن پاک ہی کے مدلول ہیں اسلئے دونوں کے دونوں اپنے اپنے محل میں صادق و حق ہیں کیونکہ دونوں قضایائے شرطیہ کے تحت میں مندرج ہیں کہ اگر اس شرط کا تحقق ہوا تو یہ جزا مرتب ہوگی اور اگر اوس مقدم کا تحقق ہوا تو یہ تالی مرتب ہوگی اور ان دونوں شرطوں میں کچھ تضاد و تنافی نہیں ہے بلکہ اپنی اپنی شرط کے اعتبار سے دونوں صادق ہیں تبدل واقعہ سے تبدل مضمون کی مثال حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے فتوے کا قصہ ہے کہ ایک شخص حضور پرنور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور صوم میں قبلہ کی اجازت مانگی جناب رسالتمآب نے اُسکو ممانعت فرمادی اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اُس نے بھی روزہ کیحالت میں بوسہ کی اجازت طلب کی تو آنجناب نے اجازت دیدی اب بظاہر یہ دونوں حکم متعارض و متناقض معلوم ہوتی ہیں لیکن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑے نکتہ سنج نکتہ رس دقیقہ شناس باریک بین تھے اُنھوں نے اس ظاہری تعارض کے دفع کرنے کے واسطے ان دونوں حکموں کے اصلی محل تلاش کرلئے اور سمجھ گئے کہ دونوں حکم علیحدہ علیحدہ محل کے واسطے ہیں ممانعت کا حکم اس واسطے تھا کہ سائل ایک نوجوان قوی شخص تھا جس سے تحمل و اجتناب عن الجماع کی اُمید نہ تھی اسلئے آنحضور نے منع فرمادیا تا کہ جماع میں مبتلا ہوکر صوم کی اضاعت نہ کرے اور جس شخص کے سوال پر جناب نے اجازت فرمادی وہ شخص ایک کمزور اور بوڑھا تھا اُس کے قوی مضمحل تھے اُس سے وقوع فی الجماع کا خوف نہ تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اجازت کی علت محض بوڑھا یا نہ تھا بلکہ اس کی علت فتنہ کا نہ ہونا ہے اور خوف فتنہ ہی پر اجازت و ممانعت کا مدار ہے کہ جس مقام پر اندیشہ فساد صوم ہو وہاں ممانعت ہے گو بوڑھا ہی ہو اور جہاں فتنہ کا خوف نہو وہاں اجازت ہے۔ گو جوان ہی ہو بس جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں ارشاد اختلاف واقعہ کی وجہ سے متعارض نہیں اسیطرح میرے دونوں مضمون بھی بوجہ اختلاف واقعہ مسموعہ کے متناقض نہیں

رہی یہ بات کہ واقعہ میں کون سی حالت صحیح ہے آیا یہ فریق حق پر ہے یا وہ فریق حق پر ہے تو اس کی حاجت اُسی شخص کو ہے جس کو اس سے دلچسپی ہو اور اس کے پاس اس کے تحقیق کے ذرائع و وسائل بھی موجود ہوں اور اس کی ضرورت و احتیاج بھی سمجھتا ہو ہماری شرطیات کے واسطے کسی واقعہ کی تحقیق کی حاجت نہیں ہم تو دونوں مضمون بیان کئے دیتے ہیں اور دونوں مضمون حق ہیں ہر شخص اپنی حالت کو جس مضمون کے مطابق سمجھے منطبق کرلے۔ جو مضمون ذہن میں سابق تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مطلوب کام میں اوس کے طریق کی دو شاخیں ہوں یا ایک درخت کی دو ڈالیاں ہوں یا ایک لشکر کے دو حصے ہوں غرضکہ ایک شے میں بوجہ انشعاب کے دو یا زیادہ شعبے ہو جاویں تو اس انشعاب کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک مرتبہ تعدد کا ہے جسکی مثال ایک شہر کی مساجد ہیں اور دو شہروں کے مدارس و خانقاہ او ایک مرتبہ تبدد کا ہے میں لفظ تفرق کا استعمال کرتا لیکن چونکہ طالب علم ہوں اسلئے قافیہ کے لحاظ کی وجہ سے یہ غیر مانوس لفظ اختیار کیا اس کے معنی بھی تشتت و تفرق کے ہیں کہ تعدد کے ساتھ اس میں تفرق و تزاحم کا بھی پہلو ہو اب سمجھئے کہ مطلوب کے طریق میں مرتبہ تعدد تو مرغوب و مطلوب و مستحسن ہے وفیہ فلیتنافس المتنافسون بخلاف تبدد کے کہ وہ موجب فساد ہے اور مہیج فتنہ ہے وعنہ فلیتنافس المتنافسون تعدد کے مثال مساجد ہیں کہ ایک دینی خدمت کی چند شاخیں ہیں اپنی خدمت یہ بھی کہ ایک ایسا مکان طیار ہو جس میں فریضہ صلوٰۃ سے سبکدوش ہوں اور اب اسمیں کثرت مصلین و ضیق مکان اور دوراستے آمد و رفت کی تکلیف کی وجہ سے ایک مکان کافی نہیں تھا لہذا مختلف مقامات پر چند مسجدیں طیار کرائی جاتی ہیں سو یہ تو تعدد ہے کہ ایک دینی خدمت کے ادا کے لئے متعدد مقامات تجویز ہو گئے لیکن تبدد نہیں چونکہ مذموم ہے کیونکہ تبدد کا مدار ضرورت پر نہیں ہوتا بلکہ اُس کا مبنی داعیہ نفسانی او غرض فاسد ہوتی ہے تو تعدد مساجد اگر نمازیوں کی کثرت اور تنگی مکان وغیرہ سے ہو تب تو تعدد ہے ورنہ پھر تعدد نہیں بلکہ یہ بھی تبدد ہو جائیگا اور تعدد بعض مرتبہ بہت

ضروری ہوتا ہے کہ بغیر تعدد کے ہم دینی خدمت سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے مثلاً
یہاں مظفر نگر میں تعدد مساجد ہے کہ باشد درجہ ضروری ہے کیونکہ اگر تمام مظفر نگر میں
صرف ایک ہی مسجد ہو تو اکثر لوگ مسجد و جماعت اور اوس کے ثواب جزیل سے
محروم رہیں لہٰذا لامحالہ تعدد ضروری ہوا اور تبدد پیدا ہوتا ہے باہمی نزاع و مخالفت
کی وجہ سے اُس کا مبنی جھگڑا اور فساد ہوتا ہے وہ کسی ضرورت دینی کے انجام دہی کے
واسطے نہیں کیا جاتا بلکہ اُسکا مدار صرف آتش حسد و فساد پر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی بھی
دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ فریق اول یقیناً حق پر نہیں ہے وہ قطعاً خطاء فاحش
میں مبتلا ہے اور غلطی کا مرتکب ہے اس لئے دوسرے فریق نے اوسکے مقابل دوسرا انتظام کیا
سو یہ تو مذموم نہیں۔ مثلاً کسی شخص نے مال حرام سے مسجد طیار کرائی یا ارض مغصوبہ
میں مسجد بنائی تو اُس کے مصلے قبل از علم تو معذور رہیں اور بعد از علم دوسری مسجد
بنانے میں کچھ حرج نہیں بلکہ واجب ہے کہ مسجد سابق میں نماز نہ ادا کریں اور اس جدید
مسجد کے بنانے میں اگرچہ منازعت پیش آوے اُس کو حدود شرعیہ کو ملحوظ رکھکر گوارا
کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فریق اوّل یقیناً حق پر ہے اُس میں کسی قسم کا نقص نہیں یا اُسکی
حق پر ہونے نہ ہونے میں مساوی درجہ میں تردد ہے مثلاً پہلی مسجد کوئی شخص اپنی ارض
مملوکہ میں مال طیب سے بنوائے اور وہ اپنی وسعت مکانی سے سب اہل محلہ کو کافی
ہو غرضکہ اُس میں کسی قسم کی خرابی نہ ہو اب اس مسجد کے مقابلہ میں جو دوسری مسجد
طیار کرائی جائیگی اسکا مدار صرف باہمی اختلاف و منازعت ہوگا کہ دوسری پارٹی ہو جاوے
ایسی صورت تبدد مذموم کی ہے اور ایسی جگہ مسجد بنانا ناجائز ہے اسیطرح تردد کی صورت
کو سمجھئے کہ بانی اول کا خطا پر ہونا نہ ہونا یقیناً معلوم نہیں صرف بعض لوگوں کا خیال ہے
جو کہ بعض امارات و علامات کی وجہ سے ناشی ہوا ہے کہ بانی اول خطا پر ہے تو اُس کے
واسطے الیقین لا یزول بالشک کافی ہے۔ کہ محض شک کی بنیاد پر دوسرے شخص کی
مخالفت نہیں چاہئے مصلحت دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اول تو ہر زمانہ میں عموماً اور اس

زمانہ میں خصوصاً تذبذب و تردد کو چھوڑ دے اور بانی اول پر بنا بر استصحاب حال کے بدگمانی نہ کرے۔ البتہ اس کے اغراض و مقاصد دینی کی تکمیل میں جو کچھ نقص ہو اوسکی اصلاح میں سعی جمیل کرے اب اس مسجد کی مثال کے ذہن نشین ہونے کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ دین کے صرف دو شعبے ہیں ایک علم اور دوسرا عمل اور جس طرح کہ مسجد دار العمل ہے اسی طرح مکاتب و مدارس دار العلم ہیں۔ یعنی دو قسم کے امکنہ طیار ہونا مطلوب ہے ایک تو فریضہ عمل سے سبکدوش ہونے کے لئے جن کو مساجد کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے اور دوسرے فریضہ علم سے سبکبار ہونے کے لئے جن کو مدارس کے نام سے پکارا جاتا ہے اب مسجد و مدرسہ میں اس اعتبار سے کچھ فرق نہیں کہ دونوں سے دونوں دینی خدمات کے انجام دہی کے واسطے مہیا ہوتی ہیں۔ لہذا مدرسہ کے تعدد و تبدد میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو مسجد کے تعدد و تبدد میں ہے کہ اگر پہلا مدرسہ بالکل حق پر ہے اور اس میں کسی اعتبار سے کسی قسم کے منقصت نہیں جسکی تکمیل کے واسطے دوسرے مدرسہ کا افتتاح ہو تب تو اس مدرسہ موجودہ کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مدرسہ بنانا ناجائز ہے کیونکہ یہ تبدد مذموم کے افراد میں سے ہے۔ یا یہ کہ پہلے مدرسہ کے حق پر ہونے نہ ہونے میں تردد ہے تب بھی بمقتضائے مصلحت تعدد کو اختیار نہ کرے اگر ممکن ہو اوسکی شکایات کی اصلاح کر دے اور اگر مدرسہ سابقہ یقیناً خطا پر ہے یعنی وہ دینی خدمت کے انجام دہی سے مجتنب و گریزاں ہے تب دوسرا مدرسہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اور جس طرح کہ مساجد میں ایک درجہ ضرورت تعدد کا ہے اسیطرح مدارس میں بھی بعض اوقات بوجوہ مذکورہ تعدد لازمی ہے اور جہاں صرف تعدد ہوتا ہے وہاں کچھ منازعت و فساد نہیں ہوتا بلکہ سب لوگ ایک ہی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں۔

چنانچہ بخارا میں تین سو اکسٹھ مدرسے ہیں اور کبھی کچھ شور و غوغا بلند نہیں ہوتا اور دیکھئے سرکاری مدارس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ سب ایک محکمہ کے ماتحت ہو کر اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہیں۔ انگریزی اسکولوں کالجوں میں کبھی جھگڑا نہیں ہوتا کیونکہ ان مقامات پر صرف تعدد ہی ہوتا ہے اُن میں تبدد کی شان نہیں ہوتی ورنہ وہ بھی تو آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں اُن میں بھی تو منازعت و مشاجرت کا مادہ ہے

غرض تعدد تو قرین مصلحت ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے ورنہ سخت سے سخت مشکلوں کا سامنا پڑجائے اور تبدد بالکل مذموم اور واجب الترک ہے اب جو شخص مدرسہ سابقہ کے حال سے ناواقف ہو اُس کو تو چاہئے کہ وہ دونوں مدرسوں کی اتحاد کی کوشش کرے کیونکہ تردد کی صورت میں جو تعدد ہوتا ہے وہ حکماً تبددہی کا فرد ہے اسلئے بمقتضائے مصلحت دینی اُس سے اجتناب کیا جائے اور جو شخص حقیقت حال سے واقف اور اُسکو اصل حالت معلوم ہو وہ اپنے علم کے موافق فیصلہ کرے۔

چونکہ مجھے بھی معلوم نہیں کہ یہاں پر کون حق پر ہے اور کون غلطی پر ہے اور نہ مجھ اسکی کچھ احتیاج ہے

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار کار ملکست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش۔

اس لئے محض اسلام کی خیر خواہی اور دینی خدمت کی انجام دہی کے واسطے بینی بانیان جلسہ کو یہ رائے دی ہے کہ وہ اس انشعاب و تفرق کو دور کریں اور باہم متحد ہو جاویں اور اپنی متفقہ قوت سے اسلام کے اغراض کو علی وجہ الکمال پورا کریں اُنکا امتثال و عدم امتثال کا ان سب حضرات کو اختیار ہے میرا قول صرف رائے اور مشورہ کے درجہ میں ہے جسکا امتثال و عدم امتثال میرے نزدیک دونوں مساوی ہیں۔ اب میں دوسری جانب بھی یعنی مدرسہ سابقہ والوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اس منازعت کی مدافعت میں کوشش کریں اور اوس کی صورت یہ ہے کہ جو شبہ منشا ہوا ہے مخالفت کا اوس کو رفع کردیں کیونکہ بدون کسی منشا مخالفت کے مشکل ہے کہ لوگ مخالفت پر آمادہ ہوں

ع تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ منشا مخالفت کی کچھ نہ کچھ اصل ہوتی ہے جسکو مخالفین اور نمک مرچ لگا دیتے ہیں گو بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدون کسی منشاء و اصلیت کی مخالفین طومار باندھ دیتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اور دوسرے حضرات گو واقع میں کسی شرعی خرابی میں مبتلا نہ ہوں اور نہ عند اللہ اُن سے کچھ مواخذہ ہو لیکن موجودہ حیثیت سے ضرورت ہے کہ وہ اُن شبہات کو جو اُن پر عائد کئے جاتے ہیں دور کردیں کیونکہ اس

امر کی خود مدرسہ کو بھی احتیاج ہے اس لئے کہ آج کل قریب قریب سب مدارس کا دار مدار چندہ ہی ہے شخصی مدارس بہت نادر الوجود ہیں جب عوام الناس بدظن ہو جاوینگے تو چندہ کون دیگا اور پھر مدرسہ کس کی بازوؤں کی طاقت سے چلیگا۔ لہٰذا عوام الناس کی جمعیت خاطر اور تسلی تشفی کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ شبہات کو رفع کیا جائے اور باہمی اتحاد سے دینی خدمت کو انجام دیا جائے نیز جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اتقوا مواضع التھم کا مقتضا بھی یہی ہے البتہ جو شخص چندہ وغیرہ سے آزاد ہو اور کسی قسم کی پروا نہ رکھتا ہو اُس کو اس رفع شبہات کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عوام اگر اُس سے بدظن ہونگے تو چندہ بند کرلیں گے تو اُسکو کچھ ضرورت ہی نہیں اس کو نہ اشتہار بازی کی حاجت ہے نہ جلسوں کی ضرورت ہے بلکہ وہ تو عیش و عشرت کے ساتھ اپنی زندگی کے ایام کو بسر کریگا۔ مثلاً حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ تعلیم و تدریس کا کام تو وہاں مدرسوں سے زیادہ ہوتا تھا خورد و نوش کا انتظام بھی خوب اچھی طرح تھا لیکن مولانا کو کسی کی اعانت کی پرواہ نہ تھی گو اہل خیر بطور خود طلبہ کی خدمت کرتے تھے لیکن مولانا نے کبھی صراحۃً یا کنایۃً طلب نہیں فرمایا اب کوئی شخص مثلاً یہ مشہور کر دیتے کہ مولانا ایک ہزار روپیہ کھا گئے یا مولانا نے فلاں مال نعوذ باللہ غبن کرلیا تو مولانا کو اس کے دفعیہ کی ضرورت نہ تھی گو طبعی کلفت ضرور ہوتی لیکن کسی مصلحت کا بھی یہ اقتضا نہ ہوتا کہ کسی جلسہ سے یا کسی اشتہار سے اپنی برات ظاہر فرماتے کیونکہ آپ کسی ضابطہ کے پابند نہ تھے بلکہ خرچ کے خود مختار تھے جس طرح چاہا خرچ کر دیا اگر تحریک چندہ کرتے لوگوں کے سامنے دست طلب دراز فرماتے تب تو حضرت کو ان قیود کا لحاظ ضروری تھا اور جب بالکل استغنا سے کام لیا جائے تو کیا وجہ کہ اس معاملہ میں اظہار صورت حاجت کیا جائے یہی حضرت کا احسان تھا کہ جو لوگ حسبۃً للہ طلبہ کی خدمت کرتے تھے۔ حضرت اُس کے بذل و حفاظت کی مشقت اٹھاتے تھے اب جس کو شبہ ہو مت دو کوئی مانگنے نہیں آتا اپنے گھر جاؤ آرام کرو۔ باقی رہا وہ شخص جس کی طرز روش ایسی نہو

بلکہ وہ ضوابط و قواعد کا پابند ہو اشتہار و جلسے سے کام لیتا ہو اُس کو بحیثیت اجتماع و مصلحت دینی بیشک ضرورت ہے کہ اپنی صفائی کی تدبیر کرے اور اس کی ایک اچھی صورت یہ ہے کہ ایک ذی اثر لوگوں کی جماعت جو عمائد شہر سمجھے جاتے ہوں اور جن میں علماء بھی ہوں طرفین کو جمع کریں یعنی وہ لوگ بھی ہوں جنہوں نے اختلاف کیا ہے اور وہ بھی ہوں جن سے اختلاف کیا ہے اور علماء سے مراد یہ نہیں ہے کہ میں بھی اس کمیٹی میں شامل ہوں کیونکہ نہ تو میں عالم ہوں اور نہ میں اپنے واسطے اس قسم کے فیصلے پسند کرتا ہوں۔ ع وللناس فی ما یعشقون مذاہب۔

اور اس مجمع میں یہ کوشش نہ ہو کہ ہماری براءت ہی ہو جاوے بلکہ اصلی واقعات کو من و عن بیان کر دینا چاہیئے اس کے بعد اگر اس جماعت کی نظر میں شبہات دور ہو جاویں فبہا ورنہ کام سب اُن ہی کے سپرد کر دیا جاوے اور خود دست بردار ہو جاویں کہ لو تم جانو اور تمہارا کام جسکو چاہو سپرد کرو کیونکہ دین کا کام کسی شخص خاص کی ذات پر موقوف نہیں ہے مہتمم مدرسہ مسلمانوں کا وکیل ہوتا ہے اور وکالت کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی خدمت کو انجام دیتا ہے اور چونکہ موکل کو عزل وکیل کا اختیار ہوتا ہے اس لئے عامہ مسلمین کو کہ جن کا یہ وکیل ہے اُس کے عزل کا اختیار ہے اس میں وکیل کا کچھ زور نہیں جیسے مقدمہ کی پیروی کے واسطے وکیل و بیرسٹر مقرر کئے جاتے ہیں جب چاہتے ہیں اُسکو معزول کر دیتے ہیں اور دوسرا وکیل بنا لیتے ہیں تو کیا کسی عدالت کے وکیل کو اس امر کا حق ہے کہ وہ سر ہو جائے اور کہے میں ہی وکیل ہونگا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ حساب صاف کر کے کہیگا کہ جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ اسی طرح مہتمم مدرسہ عامہ مسلمین کا وکیل ہے اور جناب اگر انسان اتنی ہمت کرے تو خود بخود شبہات سے براءت ہو جاتی ہے پھر لوگ اس کو نہیں چھوڑتے۔

چنانچہ جس زمانہ میں میں کانپور میں مدرس تھا وہاں کے لوگوں نے اہل مدرسہ پر کچھ اعتراضات شروع کئے میں نے جواب میں نہ وعظ کہا نہ اشتہار بازی کی نہ جلسہ کیا بلکہ عمائد مدرسہ کو بلا کے کہا کہ صاحبو معترضین کے اتفاق سے معلوم ہوا کہ ہم لوگ خدمت

مدرسہ کے اہل نہیں ہیں اور خدمت ہمارے حال کے مناسب نہیں اس لئے ہم ہٹ جاتے ہیں آپ جو انتظام چاہیں کریں مدرسہ کا مکان و موجودات و تحویل وغیرہ سب دیکھ لیجئے جناب اوسی جلسہ میں سب اعتراضات وغیرہ رخصت ہوگئے مگر یہ کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ دل میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ اگر کام ہم سے لیلیا جاویگا تو ہم دل سے راضی رہینگے حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ نیا مدرسہ کرنا چاہتے ہیں اُن کے واسطے تو یہ رائے ہے کہ وہ تعدد و تفرق سے کام نہ لیں اور قدیم مدرسہ والوں کی بابت یہ رائے ہے کہ وہ اپنے اوپر سے شکوک و شبہات کو رفع کردیں اور اس میں حکم ذی اثر رؤسا اور علماء ہوں اس کا فیصلہ عوام سے متعلق نہ ہونا چاہئے البتہ میں اس خدمت سے معذور ہوں کیونکہ مینے اسی جھگڑے وغیرہ سے بچنے کے لئے کانپور کو چھوڑ دیا۔

ایک مرتبہ تھانہ بھون میں بعض رؤسا کی یہ رائے ہوئی کہ ایک جدید مدرسہ امداد العلوم کے مقابلہ میں قائم کیا جائے مینے صاف صاف کہدیا کہ جب چاہو نیا مدرسہ کرلو میں پرانے مدرسہ کو بند کردوں گا مقصود نشر ہی دین کا جس کے ہاتھ سے بھی ہو ایسی حالت میں ایک مدرسہ کیا سو مدرسے بھی ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہمکو جلب مال مقصود نہیں تا کہ یہ مدرسے اُس میں مخل ہوں سو دوسرے مدرسے والونکا مقصود یہ تھا کہ پہلا مدرسہ نیست و نابود ہو جائے لیکن میرے اس طرز عمل کا اثر یہ ہوا کہ وہی لوگ بیٹھ رہے اور اپنے قصد سے باز رہے۔ ایک مرتبہ مجھے ایک شخص نے ۵ روپے بھیجے تھے کہ طلبہ سے دعا کرادیں میں نے روپے واپس کردئے کہ مدرسہ دعا کی دوکان نہیں ہے اور اس طرز میں عزت دین کی ہے اور عزت دین ہی کی مقصود بالذات ہے اور یہی مدرسہ کی روح ہے پس اصل بقا دین کا چاہئے خواہ مدرسہ رہے یا نہ رہے۔

ایک مرتبہ ایک رئیس نے میرے پاس مدرسہ کے لئے دو سو روپیہ بھیجے اور لکھا تھا کہ میں جناب کو لینے آؤنگا میں نے لکھا کہ میں یہ روپیہ اس وجہ سے نہیں لینا چاہتا کہ مجھکو اس مضمون سے شبہ پڑگیا کہ روپیہ بھیجکر مجھ پر شاید اثر ڈالا جاتا ہو تو اس میں ایک گونہ رشوت کا شائبہ ہے اگر بلانا ہی تو بلانے کے بارہ میں مستقل گفتگو کیجئے اور روپیہ وصول

نہیں گئے تو اس کا جواب معذرت سے بھرا آیا کہ آپ مدرسہ کے لئے روپیہ لے لیں اور میں نہیں بلاتا پھر مدت کے بعد مستقلاً انہوں نے بلایا۔

ایسے ہی ایک شخص پانی پت سے آئے اور انہوں نے صہ؎ روپیہ مدرسہ میں داخل کرنا چاہا میں نے ان سے سوال کیا تم نے پانی پت کے مدرسہ میں یہ روپیہ کیوں ن داخل نہیں کیا معلوم ہوتا ہے تم نے یہ سمجھا کہ تواب کا ثواب ملیگا اور وہ شخص بھی یعنی احقر خوش ہوگا کہنے لگے جی ہاں بات تو یہی تھی ؎

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

ایک پینتھ دو کاج میں نے روپے واپس کردئے اور کہا کہ میں شرک کی رقم نہیں لیتا جس میں ارضاء حق کی ساتھ ارضاء خلق بھی مقصود ہو دوسرے دن انہوں نے کہا کہ اب وہ نیت نہیں ہے اب صرف ثواب محض کی نیت ہی لے لیجئے میں نے لیلئے غرض جو شخص آزاد ہو وہ کیسے جھگڑے میں کیوں پڑیگا اس لئے ایسے شخص کو چھوڑکر دوسرے اہل اثر اہل علم جمع ہوکر باہم گفتگو کرلیں اور اس میں بڑی ضروری بات یہ ہے کہ اہل معاملہ کی دونوں جماعتیں فیصل کنندوں کے سامنے رو در رو گفتگو کریں ورنہ روایتوں حکایتوں میں اور قصہ بڑھ جاتا ہے فیصلہ تو کیا ہوتا اور مخالفت زیادہ ہوجاتی ہے دوسرے ایسے قصوں میں ایک ثالث کی ضرور احتیاج ہوتی ہے کیونکہ فریقین خود شبہات نہیں رفع کرسکتے اور نہ خود متفق الرائے ہوسکتے ہیں اول تو لوگوں کو اپنی غلطی نہیں معلوم ہوتی دوسرے ہر شخص کو فطرۃً ایک آن ہوتی ہے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی غلطی سے واقف ہوجاتا ہے لیکن نفس پروری اقرار حق سے آڑ بن جاتی ہے لہذا ایک ثالث جماعت فیصلہ کردی اور فریقین اس کو مُسلّم سمجھیں اور اس کے فیصلہ کے موافق عمل درآمد کریں میری یہ رائے ہے اور اس سے اچھی صورت میرے ذہن میں نہیں ہے۔ ممکن ہے اور کوئی صاحب اس سے بہتر تجویز کردیں تو پہلا مضمون ذہن میں تعدد کا تھا جس کی مثال ماجد سے واضح ہوگئی مگر صورت واقعہ سے ممکن ہے کہ اس وقت تعدد کا نتیجہ اچھا ہو

لہذا اب پہلے مضمون کی جگہ پر دوسرا مضمون شروع کیا گیا کیونکہ واقعات سے رائے بدل گئی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تم سب لوگ ملکر دین اللہ کے ساتھ تمسک کرو اور سب کے سب دین پر قائم رہو اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود دین ہے اتفاق بھی وہی مطلوب ہے جو تمسک بالدین کے ساتھ ہو

آجکل کے عقلاء نے صرف اتفاق کا نام سن لیا ہے اور اسیکے رٹ میں رات دن مصروف رہتے ہیں اور ان کے نزدیک اتفاق کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا ہمخیال ہو جائے کہ جو شخص حق کو چھوڑ کر باطل پرست کے ساتھ ہو جائے وہ بھی اتفاق سمجھا جاتا ہے حالانکہ کوئی صحیح العقل اس کا طالب نہیں ہو سکتا اسی طرح کا اتفاق برادری کا اتفاق ہے مثلاً ناچ برابر کئے جاتے ہیں اگرچہ برا بھی سمجھتے ہیں اگر منع کرو تو کہتے ہیں کیا کریں برادری تو نہیں بگاڑی جاتی خلاف وضع کیسے کریں بزرگوں کا طریقہ چلا آ رہا ہے تو ایک اتفاق یہ بھی ہے۔ قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا کہ اتفاق مطلقاً مطلوب نہیں بلکہ اتفاق کے خاص فرد کی طلب ہے یعنی باطل حق کے ساتھ ہو اور عکس کی صورت مطرود ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ عز اسمہ نے اجتمعو نہیں فرمایا بلکہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا فرمایا کہ وہ اتفاق مطلوب ہے جس میں زمام دین ہاتھ سے نہ چھوٹے اور اسکی پوری توضیح مثالوں سے ہو جاتی ہے مثلاً دو سلطنتوں میں جنگ ہو اور بازار قتل گرم ہو اب بھی خواہان قوم کیا اتفاق اتفاق وہاں بھی پکارینگے اور اتفاق کی صورت یہ تجویز کریں گے کہ ایک سلطنت بلا کسی ترجیح کے اپنی حکومت سے دست بردار ہو جائے اور دوسری سلطنت بانیل مرام واپس پھرے تو کیا یہ اتفاق ہے یا ایک ظالم شخص ایک مظلوم سے لڑنے لگے اب یہاں اتفاق کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ مظلوم محض ساکت کھڑا پٹتا رہے تاکہ اتفاق ہاتھ سے نہ جاوے تو ظاہر ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ اتفاق مطلوب کے معنی یہ ہیں کہ ظالم اس فعل شنیع سے باز رہے اور مظلوم کی ساتھ اتفاق کرے

نہ کہ مظلوم بیچارہ مصیبت میں مبتلا رہے ان سب باتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مطلق اتفاق مطلوب نہیں بلکہ مطلوب و مرغوب فیہ وہی اتفاق ہے جس میں ناحق کو حق کے تابع کیا جائے نہ کہ بالعکس لہذا یہ عنوان کہ آپس میں اتفاق سے رہو نہایت ہی مہمل عنوان ہے۔ اول تعیین حق کی ضرورت ہے اس کے بعد جو ناحق پر ہو اس سے فہمائش کیجائے کہ تو اہل حق کے ساتھ متفق ہو کر رہ۔ نہ کہ علی الاطلاق اتفاق اتفاق پکارنا شروع کر دیا۔

مثلاً ایک ڈپٹی مقدمہ پیش ہونے کے وقت کسی بے جرم کو کسی مجرم کے ساتھ متفق ہونیکا حکم دے تو یہ اتفاق کس درجہ تک صحیح ہو گا۔ یا ایک شخص نے ایک لاکھ روپیہ کا دعویٰ کیا اور رو داد سے حاکم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدعی علیہ جھوٹا ہے اور اس کے ذمہ ایک لاکھ روپیہ واجب الادا ہے لیکن وہ فدائے قوم اپنے اتفاق کی دھن میں مدعی کو ڈگری دلانے کے بجائے یہ کہے کہ تم ایک لاکھ روپیہ چھوڑ دو اور آپس میں مخالفت نہ کرو۔ اتفاق سے رہو تو کیا یہ اتفاق ہے۔ ہرگز نہیں۔ جہاں قانون میں اور جرائم ہیں کیا مطلق نا اتفاقی بھی کہیں جرم ہے اگر نا اتفاقی جرم ہے تو خاص نا اتفاقی ہی جہاں ناحق حق سے نا اتفاقی کرے اور باطل حق کے مقابلہ میں اپنی بیجا کارروائی سے باز نہ رہے۔ بلکہ اس قسم کے اتفاق سے فیصلہ کرنا خود بہت بڑا جرم ہے کیونکہ مغلوب کا دبانا اور مظلوم کو ستانا عدالت میں بہت سنگین جرم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مطلق اتفاق محمود نہیں بلکہ بعض افراد اتفاق کے ناجائز ہیں اور ہمارے عقلاء اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ مثلاً دو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کا ترکی بترکی جواب دیتے ہیں اب اس میں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک من ایک سوا من اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بالکل خاموش ہے لیکن دوسرا اشتہار بازی کرتا ہے اخباروں میں بیہودہ اور غیر موزوں مضامین شائع کراتا ہے وعظ وغیرہ کے جلسوں میں لاف و گزاف سے کام لیتا ہے اب حیرت ہے عقلاء سے کہ دونوں کو برا کہتے ہیں نا اتفاقی کا الزام دونوں پر عائد کرتے ہیں حالانکہ ایک بالکل ساکت

اب یہ کیا کر سکتا ہے اپنا بولنا اس کے قبضہ میں تھا اُسکو چھوڑ دیا اب دوسرے کو تو بند نہیں کر سکتا۔ اس پر الزام لگانے کے کیا معنی اول ناحق اور حق کی تحقیق کرو۔ پھر جو حق پر نہ ہو اُسکو دباؤ دیکھو ایک شخص عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور خیر سے جج صاحب مصلح قوم اور لیڈر بھی ہوں اور اتفاق سے لکچرار بھی ہوں لیکن بحیثیت جج کے مدعی سے کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں تیرا دعویٰ نہیں سُنتا جاؤ مخالفت نہ کرو متفق ہو کر ہو میرا دماغ پریشان کرنے کو کیوں آئے ہو۔ میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں کیونکہ تم نااتفاقی کے مرتکب ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو دیکھئے حکام بالا کی طرف سے ایسی مصلح کی کیسی گت بنتی ہے سو مصلح کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مطلق اتفاق پر عمل کر بلکہ یہاں پر اصلاح یہی ہے کہ تحقیق کر کے حقدار کا حق ادا کرو۔ یعنی حکومت سے کام لو کاذب کو سزا دو اس سے ڈگری دلواؤ قرقی وغیرہ کراؤ تاکہ آئندہ وہ اس نااتفاقی کا مرتکب نہ ہو سو کیا کوئی ایسا شخص ہے جو ایسے مصلح کو یہ کہہ سکے کہ وہ صحیح الدماغ نہیں کیونکہ اُسنے نااتفاقی کی معاونت کی ہرگز نہیں کیونکہ یہ شخص اگرچہ اتفاق کو زبان سے نہیں نکالتا لیکن عملاً اتفاق کر رہا ہے مجھکو آج کل کے بہی خواہاں قوم کے اتفاق پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک صاحب پٹ رہے تھے لیکن کبھی کبھی قابو پاکر ایک آدہ دھول مار بھی دیتے تھے اُن کے دوست رفیق تشریف لائے اور دوست صاحب کا دست مبارک پکڑ لیا کہ اب اچھی طرح سے مرمت ہو جاوے کسی نے پوچھا یہ کیا حرکت تھی کہنے لگا۔

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست

تو جس طرح انہوں نے دست گیری کے معنی سمجھے تھے ایسی ہی اتفاق کے معنی سمجھے جاتے ہیں کیوں صاحب کیا اس دستگیر کو بھی حامی اتفاق کہا جاویگا کیوں کہ اختلاف رفع کرنے کی ایک صورت تو یہ بھی تھی تو جناب اگر یہی اتفاق ہے تو خدا خیر کرے اور ہمارا تو ایسے اتفاق کو سلام ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کیا ہے قال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا

مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا دیکھئے مودۃ بینکم سے معلوم ہوا کہ بت پرستوں میں اتفاق تھا مگر انجام اوس کا دیکھئے کیا ہے کہ وہاں ہر ایک کو دوسری کی طرف سے لعنت اور پھٹکار ہوگی تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے اون میں نااتفاقی ڈالنے کی کوشش کی تہی کیا مصلحان قوم کے پاس اسکا کچھ جواب ہے۔ اصول جدیدہ کے موافق تو کامل اتفاق چوروں اور ڈاکوؤں میں ہے یا اور جو بدمعاش طائفے ہیں کہ جان مال دین آبرو گنوا کے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن آج تک کسی مصلح نے نہ تو کسی چور کو انعام دیا نہ کسی ڈاکو کو اتفاق کی وجہ سے رہا کیا۔ ہمارے مصلحان قوم کو ضرورت ہے کہ وہ اتفاق کی تقسیم کریں۔ اور ایک قسم کی تو رغبت دلاویں اور دوسری قسم کے قلوب میں نفرت بٹھا دیں جس اتفاق سے اصلاح ہوتی ہے وہی اتفاق ہے جس میں باطل کو حق کے تابع کیا جائے ورنہ وہ اتفاق نااتفاقی سے بھی زیادہ برا ہو جائیگا مثلاً کوئی مسلمان کسی کافر کے اسلام میں کوشش کرے لیکن بمشیت ایزدی کامیاب نہ ہو سکے تو کیا اتفاق کی وجہ سے یہ مسلمان ترک اسلام کرکر کافر ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اس اتفاق سے تو نااتفاقی ہی اچھی کہ مسلمان مسلمان تو رہیگا دوستی اور اتفاق چاہے رہے یا نہ رہے کوئی عاقل مسلمان ایسے اتفاق کو تجویز نہیں کر سکتا۔

دیکھئے بخل مذموم ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ بعض افراد بخل کے مستحسن و محمود بھی ہیں مثلاً معاصی میں خرچ کرنے سے بخل کرنا اچھا ہے پس نہ سخاوت بجمیع افرادہ مستحسن ہے نہ بخل بجمیع افرادہ مستقبح بلکہ ہر شے اپنے اپنے موقعہ اور اپنے اپنے محل میں اچھی ہے جیسی جراح ہوتا ہے ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

جراح کے دونوں فعل اصلاح ہی ہیں کوئی شخص جراح سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو پھوڑے میں شگاف مت لگا اور مرہم ہی مرہم رکھے جا مثلاً اسکی ناسور ہو جاوے اور بغیر شگاف کے اچھا نہ ہو سکتا ہو لیکن کوئی رحمدل مصلح قوم جراح کو شگاف

نہ لگانے دیں کیونکہ بے رحمی ہے تو جراح اُس کا جواب یہی دیگا کہ ہر رحمدلی ہر سختی سے اچھی نہیں بلکہ بعض مقامات پر رحمدلی اچھی ہے اور بعض مواقع میں سختی اچھی ہے تو اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ علی الاطلاق رحمدلی اچھی ہے تو جاؤ اور عقل کے ناخن لو اور اگر تمہارا مطلب یہ ہی کہ بعض افراد رحمدلی کے مستحسن ہیں تو ناسور کو شگاف نہ دینا ان بعض میں سے نہیں ہی یا کوئی رحمدل کہنے لگے کہ سانپ کو نہ ستاؤ اللہ کی بے زبان مخلوق پر رحم کرو بچھوؤں کو نہ مارو شیر بھیڑئے تیندوے کو کچھ نہ کہو اگرچہ ہزاروں انسان ان ناگہانی بلاؤں سے فنا ہو جاویں لیکن تم بوجہ رحم کے ان پر بندوق نہ داغو کیا اسکو کوئی شخص رحم کہہ سکتا ہے اُس نے بظاہر تو سانپ وغیرہ پر رحم کیا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اُسنے اُس قوم پر جو ان سے بدرجہا افضل ہیں بڑا ظلم کیا یعنی انسانوں کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا

حاصل یہ ہی کہ ہر شے میں مختلف مراتب ہیں اور ہر شے اپنے محل میں مستحسن اور غیر محل میں قبیح ہے (ومن ثم قیل وضع الشیٔ فی غیر محلہ ظلم ۱۲ جامع)

مرشدنا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رذائل کا ازالہ نہیں کرتا بلکہ اون کا امالہ کرتا ہے مثلاً بخل ایک بُری صفت ہی تو وہ اُس کو اُن مواقع کی جانب منصرف کر دیگا جہاں پر بخل کرنا مستحسن ہے مثلاً قمار سے شراب سے بخل ہونے لگیگا اور جو مواقع حسنہ ہیں جیسے مدرسہ میں دینا سائل کو دینا مسجد وغیرہ میں دینا یہاں پر بخل نہ ہوگا حاصل یہ کہ سالک ہر شے کو اُس کے محل میں استعمال کرنے لگے گا سو بخل سے بچنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ بخل کا مادہ بالکلیہ زائل کر دیا جائے اور ایک صورت یہ تھی کہ اُس کو اُس کے مواقع کی جانب مائل کر دیا جائے اور یہی صورت سہل العمل ہے دیکھو ایک انجن ہو اور اُس کی اسٹیم خوب گرم ہو رہی ہو پوری رفتار کی اُس میں بھاپ موجود ہو اور وہ اتفاق سے سب گاڑیوں کو لیکے دوسری جانب کو چلدے تو اُس کے روکنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اُس کی آتش بجھا دی جائے اُس کی بھاپ کو نکالا جائے اور یہ بہت مشکل ہے کیونکہ بھاپ ہی ایک ایسی چیز ہے

جس سے شہر کی مسافت ایام میں طے ہوتی ہے یہ بیش بہا شے ہے اسکی تضیع ہرگز گوارا نہیں ہونا چاہیئے اور نیز اس میں وقت بھی زیادہ خرچ ہوگا۔

دوسری صورت اس انجن کے اصلاح کی یہ ہے کہ دوسری طرف اس کی کل پھیر دی۔ اس سے امالہ کی ترجیح ازالہ پر بخوبی واضح ہوگئی پس جس طرح انجن کی بھاپ قابل قدر تھی اسیطرح انسان کے تمام اوصاف بھی قابل قدر ہیں کیونکہ حکمت سے پیدا ہوئی ہیں لان اللہ تعالیٰ حکیم و فعل اللہ الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ اس لئے اُن کا ازالہ نہ کرے بلکہ مصارف صحیحہ کی طرف منصرف کردے مثلاً کسی شخص کو عورت وغیرہ سے محبت ہو جائے اُس کے غم فراق میں گلتا گھلتا پگھلتا ہو رات دن گریہ وبکا سے کام ہو اب اس کی دو تدبیریں ہیں ایک تو ازالہ جس کا حال ابھی معلوم ہو گیا دوسرا امالہ جس کو شیخ کامل تجویز کریگا کہ اس محبت کو محبوب حقیقی کی جانب منصرف کر دیگا اور وہ گریہ وبکا وہموم وغموم سب خالق جل جلالہ کی یاد میں ہونے لگیگا ؎

عاشقی گر زین سر و گر زان سر است عاقبت مارا بدان شہ رہبر است

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خوب نظر بازی ہوا کرے اور بالقصد اس حرام فعل کا ارتکاب کیا جائے پھر بھی موصل الی اللہ ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر اتفاقاً اس درد بے درماں میں مبتلا ہو جائے تو شیخ اُسکو حق تعالیٰ کی ذات والاصفات کے ساتھ متعلق کردے اور اسیواسطے مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست کہ آن بہر حقیقت کارسازی است

یعنی ازالہ کی حاجت نہیں بلکہ اُسکو محبوب حقیقی کی جانب مائل کر دینا چاہیئے۔

پس حاصل یہ ہے کہ جیسے کہ ہر رحمدلی اچھی نہیں بلکہ بعض بے رحمیاں بھی اچھی ہیں اسیطرح مطلق اتفاق بھی محمود نہیں بلکہ بعض افراد نااتفاقی کے بھی پسندیدہ ہیں۔ جیسے بعض افراد بخل وامساک کے مستحسن ہیں دیکھو جب ہمارے سردار کامگار آقائے نامدار تشریف لائے تمام عالم پر کفر کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئیں تھیں سب لوگ کا فر تھے

کیا آج روئے زمین پر کوئی ریفارمر کوئی لکچرار کوئی مصلح قوم کوئی بھی خواہ قوم ہے جو یہ کہدے کہ جناب رسالتمآب نے نااتفاقی کی کیونکہ ساری دنیا کے مقابلہ میں آنحضور نے لاالہ الا اللہ کا باواز بلند نعرہ لگاکر زمین و آسمان کو گونجا دیا ابھی اور احکام کے اظہار کی نوبت نہیں آئی تھی صرف توحید ہی سے دنیا میں وحشت کے آثار پیدا ہونے لگے تھے مشرکین مکہ کہتے تھے اجعل الالھۃ الھا واحدا مشرک متحمل بہت تھے اللہ میاں پر رحم کھاتے تھے کہ ایک خدا کہاں کہاں کی خبرگیری کریگا اور کیا کیا کام کرے گا نعوذ باللہ تھک جائیگا اس وجہ سے اُس کے لئے خلیفہ اور نائب بنانا چاہئیں کہ ایک کام کرلے اور دوسرا آرام کرے بیچاروں نے سلاطین دنیا پر قیاس کیا کہ جیسے یہ لوگ مقاصد مملکت میں بغیر اعانت غیرے کامیاب نہیں ہوسکتے اسی طرح خدا بھی اور چھوٹے خداؤں کا محتاج ہی جیسے مثلاً جارج پنجم ہیں اُن کو پارلیمنٹ کمشنر۔ کلکٹر مجسٹریٹ جج انسپکٹر وغیرہ کی ضرورت ہے بیچاروں نے یہی سمجھا کہ علی ہذہ القیاس خدا بھی ماتحت حکام کا محتاج ہے لیکن یہ خیال اُنکا قیاس مع الفارق تھا اور خیر مشرکین تو کہا ہی کرتے تھے کہ بڑے بڑے کام تو اللہ میاں کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کام اور دیوتا کرتے ہیں حیرت ہی کہ بعض مسلمانوں میں اب تک اُن مشرکین کے عقیدہ کا اثر چلا آتا ہے۔

چنانچہ اولیاء اللہ کو سمجھتے ہیں کہ خدمات تکوینیہ میں اُن کو دخل ہے اور یہ بالکل شرک ہی۔ کانپور میں ایک نوعمر احمد جان شخص تھے محرم کے مہینہ میں مسجد میں آرہی تھی رستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی اور کہا بیٹا اس کھانے پر نیاز دیدو اُنھوں نے پوچھا بڑی بی کس کی نیاز دیدوں تو بڑی بی نے فرمایا کہ ہائیں یہ کوئی پوچھنے کی بات ہی بھلا عشرہ میں سوا امام حسین (علیہ السلام) کے اور کسکی نیاز بھی ہوتی ہے ان دنوں میں تو اللہ میاں نے اپنی نیاز سے بھی منع کردیا ہے یہ مسئلہ بھی سڑی بی نے ہی گھڑا۔ یہ لوگ نعوذ باللہ بالکل خدا کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے پنشن یافتہ ڈپٹی کلکٹر کارکن تو صرف صابر صاحب خواجہ صاحب معین الدین اجمیری ہیں اور اللہ میاں برائے نام تو خوب سمجھ لینا چاہئے

کہ یہ شرک باللہ ہے اور اس کی اصل وہی مشرکین کا عقیدہ ہے۔
چنانچہ ایک مرتبہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین عرب سے دریافت فرمایا کہ تمہارے کتنے معبود ہیں کہا سات ایک نہ دو بلکہ اکٹھے سات آپ نے فرمایا وہ کہاں ہیں۔ کہنے لگے کہ ایک آسمان میں ہے اور چھ زمین میں ہیں مہتم بالشان امور تو آسمان والے خدا کے متعلق ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام زمین والے خدا کرتے ہیں۔
چنانچہ باری تعالیٰ مشرکین کے اس عقیدہ کو اس واقعہ میں نقل فرماتے ہیں۔ حتی اذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین یعنی جب دریا میں سوار ہوتے تھے اور وہاں تلاطم امواج اور مدوجزر سے غرق کا خوف ہوتا تھا تب تو خوب گڑگڑا کے دعا مانگتے تھے کہ لئن انجیتنا من ھذا لنکونن من الشاکرین کہ اے اللہ اگر تو ہمکو اس بلا سے نجات دیگا اور ہم صحیح سالم منزل مقصود پر پہونچ جائیں گے تو تیری شکر گزاری کریں گے۔ فلما انجاھم اذا ھم یبغون فی الارض بغیر الحق اور جب حق تعالیٰ نے اُن کو نجات دیدی تو پھر ملک میں بلا کسی استحقاق کے سرکشی کرنے لگے اور ایک بہت ہی تعجب ہے کہ وہ لوگ مخاوف میں تو اللہ ہی کو پکارتے تھے لیکن ہمارے بعض مسلمان اُن سے بھی زیادہ بہادر ہیں وہ ایسی حالت میں بھی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ چنانچہ میں نے خود سُنا کہ جہاز کی حرکت کے وقت بعضے یا علی کہتے تھے بعض خواجہ صاحب کو بلاتے تھے حیرت ہوتی تھی کہ مشرکین تو ایسے وقت میں خدا کو پکارتے تھے لیکن یہ موحدین بزرگان دین کو پکارتے ہیں بھلا یہ حضرات کیا کر سکتے ہیں وہ تو حق تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مداری فقیروں کی ایک مجلس میں تذکرہ ہوا کہ دنیا کے کام کون کرتا ہے تو یہ رائے پاس ہوئی کہ پہلے تو خداوند تعالیٰ کرتے تھے لیکن جب سے مدار صاحب ہوئے ہیں اب تمام کاروبار مدار صاحب پر ہے وہ دنیا کے کاموں کو انجام دیتے ہیں اب غور کیجئے کہ آج کل کی کمیٹیوں میں ایسے ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں یہ تو حالت ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی۔ اور ایک دوسرے شخص بیان کرتے تھے کہ ایک شخص سے پوچھا گیا تم کون لوگ ہو کہا مسلمان پھر دریافت

کیا کسی کی اُمت میں کہا پچھان میں ایک راجہ گذرا ہے دگذرا ہے اب دیکھئے یہ بیچارہ جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قدر ہی تعلق رکھتا تھا کہ پچھان کا راجہ سمجھتا تھا۔ پچھان مدینہ کو اس وجہ سے کہا کہ ہندوستان سے حجاز مغرب کی سمت واقع ہے۔ ایسے لوگوں کی حالت سُن سُن کر بہت رحم آتا ہے کہ یہ بیچارے کیسے دام جہالت میں گرفتار ہیں بادیہ ضلالت میں گمراہ ہیں حق تعالیٰ ان کی رہبری فرماویں اور صراط مستقیم پر لائیں۔ مگر اس سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے واعظین و علماء میں سے کوئی حضرات بھی ایسے اطراف و جوانب میں نہیں پھرتے جہاں ضرورت نہیں وہاں تو رات دن علماء کا گذر رہتا ہے اور جس جگہ واقعی احتیاج ہے وہاں ہُو کا عالم ہے۔ جو کچھ قوت و طاقت ہے آپس کی لڑائیوں میں صرف کرتے ہیں سب سامان خانہ جنگیوں میں ختم ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اپنی متفقہ طاقت سے اہل اسلام سے جہل دور کریں آفتاب اسلام کو عروج دیں حضیض ذلت سے نکلکر اوج عزت پر پہونچیں۔ نہ یہ کہ اور پستی کے اسباب پیدا کئے جائیں اور جہلا کی اصلاح تو درکنار علماء کو بھی اپنی غیبت اور بیجا اور ناشائستہ بداخلاقیوں کا ہدف بنایا جائے چاہئے تو یہ تھا کہ ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

مگر ہماری یہ حالت ہی کہ ؎

ترا کہ میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف ست وجنگ

خیر یہ جملہ تو بطور تفریح کے تھا لیکن اتنی بات اور سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ جہل عذر و حجت نہیں ہو سکتا اس سے قبل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ بیان کر رہا تھا کہ آپ نے جب توحید کا دعویٰ کیا تو تمام آپ کے مخالف تھے کیونکہ نصاریٰ تو تثلیث کے قائل تھے اقانیم ثلثہ مانتے تھے حضرت عیسےٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے تھے یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے مجوسی لوگ اہرمن و یزداں کے قائل تھے خالق شر اہرمن ہی اور خالق خیر یزداں ہے فارس میں آتش پرستی کا غلغلہ بلند تھا ہندوستان میں وثن پرستی کا بازار گرم تھا بعض شمس و قمر کو معبود حقیقی سمجھتے تھے بعض

خدا ہی کے منکر تھے اور اس سلسلہ عالم کو بغیر موجد کے قیام پذیر بتاتے تھے یعنی جو لوگ دہریہ کہلاتے ہیں جیسے فرعون بھی دہری تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھے غرضکہ تمام دنیا پر شش جہت سے بحر کفر کی طغیانی تھی اور کوئی ناخدا نہ تھا جو گرداب ہلاکت سے کشتی کو کنارہ پر پہونچا تا سب لوگ منجدھار میں پھنسے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اقرأ باسم کی ابتدائی تین آیتیں نازل ہوئیں۔ پھر تین سال تک متواتر وحی کا سلسلہ منقطع رہا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قبض احوال طاری رہا اور آپ نے بہت کوفت اٹھائی چنانچہ ایک مرتبہ خودکشی کا قصد فرمالیا تھا کہ بحکم خداوندی جبرئیل علیہ السلام سد راہ ہوئے۔

غرضکہ تین سال کے بعد اور قرآن شریف نازل ہوا چونکہ پہلی وحی میں تبلیغ کا حکم نہ تھا اور خدا کا نام لینا تو ہمیشہ سے حضور کے لئے لابدی امر تھا تو اب تک یہ کیفیت تھی کہ جناب فخر عالم کا کوئی منکر نہ تھا بلکہ سب لوگ آپ کے تقدس اور کریم النفس ہونے کے قائل تھے آپ ان لوگوں کے مقدمات میں حکم بنکر فیصلہ فرماتے تھے۔ سب آپ کی امانت داری کی صفت کے معتقد تھے۔ چنانچہ آپکو محمد الامین کہا کرتے تھے ارہاص کے زمانہ کا ایک اور عجیب غریب واقعہ ہے کہ قبائل عرب نے جب خانہ کعبہ کی مرمت کی تو حجر اسود کے اٹھانے کے وقت بہت جھگڑا ہوا کہ اسکو اس کی محل میں کون چسپاں کرے سب لوگ رئیس و عمائد تھے اور ہر شخص کا قصد یہی تھا کہ میں اس سرخروئی سے مشرف ہوں قریب تھا کہ آپس میں کشت و خون ہو جاوے اور شمشیر بے نیام ہو جاوے کیونکہ قبائل عرب میں بوجہ جہالت و ضلالت کے قتال کوئی بڑا کام نہ تھا ان کی یہاں تو موروثی جنگیں چلی آتی تھیں خیر ان کو ایسے جوش و خروش کیوقت یہ سوجھی کہ آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرو تعجب ہے کہ ایسی جنگجو قوم کو ایسے موقعہ پر کیسی اتفاق ہوا غرضکہ وہ لوگ حجر اسود کو چھوڑ کے ایک علیحدہ مقام پر مجتمع ہوئے اور یہ بات قرار پائی کہ مسجد حرام میں جو شخص سب سے اول داخل ہو وہی ہمارا اس قضیہ میں حکم ہے اور اسکے فیصلہ کے موافق ہم لوگ عمل کریں گے وہ جس فریق کو تجویز کر دے گا

وہ ہی اسکو اٹھائیگا اور فریق ثانی کو کچھ چون وچرا کا حق حاصل نہ ہو گا۔ اس سے انلوگونکا باوجود کفر کے توکل معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر کیسے معتمد تھے کہ اول جو شخص داخل ہو گا وہ حکم بننے کے بھی قائل ہو گا۔ ایک آج کل کا ہمارا زمانہ ہے کہ باوجود اسلام کے توکل تو مفقود ہی ہے لیکن اُس کی جگہ تاکل موجود ہے۔ چنانچہ ہر بات میں پالیسی حکمت عملی تلاش کی جاتی ہے۔ سادگی بھولاپن۔ خلوص۔ اخلاص ناپید ہو گئی۔ یہ اوصاف حسنہ تو قدیم ہی لوگوں میں تھے اب تو ایسے لوگوں کو احمق وبیوقوف سمجھا جاتا ہے مگر خوب سمجھ لو آج کل کے لوگ عاقل نہیں آکل ہیں بلکہ باقل ہیں اب تو صرف ظاہری نمائش وتزئین رہ گئی ہے غرضکہ قدیم زمانہ میں کفار ومشرکین تک بھی متوکل تھے خیر سب میں اول مسجد حرام میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رونق افروز ہوئے سب لوگ چلا اُٹھے کہ جاء محمد الامین جاء محمد الامین کہ محمد الامین تشریف لے آئے حضور کو دیکھکر سب لوگوں نے خوشی کی کہ اب انصاف خوب ہو گا اور سب لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو گئے کہ ہمارا قلب بھی یہی چاہتا تھا کہ جناب تشریف لائیں اور آپ ہی ہمارے اس قضیہ کے حکم ہوں یہ ایک ایسا عجیب واقعہ تھا کہ جسکے فیصلہ کرنے میں بڑے بڑے عقلاء بھی چکرا جاتے کیونکہ جس فریق سے اٹھوائیں۔ دوسرا فریق مدمقابل ہو جائے اور کہنے لگے اُس فریق کی طرفداری کی آپ نے فرمایا کہ ایک چادر لاؤ اور چادر میں حجر اسود کو رکھ لو پھر سب لوگ ملکے چادر کے کونے پکڑ کے خانہ کعبہ تک لے چلو اور میں تمہارا سب کا وکیل ہو جاؤں میں چادر میں سے اُٹھا کر خانہ کعبہ میں رکھدونگا اور چونکہ وکیل کا فعل موکل کا فعل ہوتا ہے اس لئے وہ تم سب کا فعل ہو جائیگا چنانچہ سب راضی ہو گئے اور آپ نے اسطرح حجر اسود خانہ کعبہ میں رکھدیا اور سب نزاع وفساد رفع ہو گیا تو دیکھو کفار کے قلوب میں حضور کی یہ عقیدت وعظمت تھی لیکن جب آپنے لا الہ الا اللہ فرمایا اور ساتھ ہی نبوت کا دعویٰ کیا اغیار تو اغیار اعزاء واقارب عقارب بن گئے سب لوگ جان کے دشمن ہو گئے ہر جگہ دو دو مذہب ہو گئے تو کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ نے نااتفاقی کی بلکہ آپ تو عین اتفاق کے واسطے تشریف لائے ہیں چنانچہ آپ نے اتفاق ہی کی جانب

اُن کو مدعو کیا تو حاصل یہ ہے کہ جو باطل پر ہو اُس کو حق والے کے ساتھ متفق کرو اور بالعکس معاملہ سے تحرز کرو۔ خیر جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو مکہ کے چند عمائد مجتمع ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم لوگ قوم کی جانب سے وفد ہیں اور جناب والا کی خدمت میں ایک درخواست ہے وہ یہ کہ جناب خطۂ حجاز میں شورش نہ پھیلادیں اور جو مقصود ہو اُس کو بیان فرماویں ہم آپ کے مطلب کو پورا کردیں گے اگر جناب مال و دولت کے متمنی ہوں تو ہم ایک بڑا خزانہ جمع کردیں اپنے سب اموال سے دست بردار ہو جاویں اور آپ کے سپرد کردیں۔ اپنے اوپر قیاس کیا جلیسے خود مال کے حریص و لالچی تھے اسی طرح خساست نفس سے حضور کو بھی تصور کیا۔ بھلا حضور کے سامنے مال کی کیا پرواہ تھی آپ سے تو کوہ التجا کرتے تھے کہ ہم سونے کے ہو جائیں اور آپ ہمیشہ انکار فرماتے تھے آپ تو سلطان دو جہاں تھے خیر پھر عمائد نے کہا اور اگر آپکو عورتوں کی حاجت ہو تو قریش کی سب کنواری لڑکیاں حاضر کردی جائیں جتنی آپ چاہیں پسند فرمالیں چونکہ حضور سرور کائنات بہت عالی النسب تھے اس لئے اُن کو اپنی لڑکیاں دینا عار نہ تھا بلکہ اور باعث فخر تھا یا آپ ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں لیکن خدارا اس دعویٰ سے دست بردار ہو جائیے آپ نے ان سب باتوں کے جواب میں فرمایا مجھکو کسی شے کی حاجت نہیں میں کچھ نہیں چاہتا بجز اعلاء کلمۃ اللہ کے فقط ایک ہلکی سی بات کہہ لو کہ لا الہ الا اللہ اس پر مشرکین نے کہنا شروع کیا اجعل الالھۃ الھا واحدا ان ھذا لشئ عجاب اور یہ بھی کہا ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاخرۃ اور یہ بھی کہا ءانزل علیہ الذکر من بیننا یعنی آپ تو نہ مالدار ہیں۔ نہ حاکم ہیں نہ پڑھے لکھے ہیں آپ پر وحی کیسے نازل ہوئی اس کے مستحق تو ہم تھے ہم پر کیوں نازل نہیں ہوئی تو یہ مخالفتیں پیش آئیں اور پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق کے واسطے تشریف لانا مسلم ہے تو معلوم ہوا مطلق اتفاق محمود نہیں میں پوچھتا ہوں تم نے اتفاق سیکھا کس سے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیونکہ کسی غیر کا اتفاق تو معتبر نہیں تو بس حضور کا

عملی اتفاق دیکھہ لو اور اُسیکے موافق تم بھی عمل کرو۔ تمام فرق باطلہ دہریہ ملحدین صابئین گبر مجوس یہود نصاری مشرکین آپ سے علیحدہ ہو گئے تھے سب مخالفت پر کمربستہ تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم استقلال سے کام نہ لیتے تو بہت سخت مشکل کا سامنا تھا ہزاروں لوگ قتل کے درپے تھے ایک یکہ وتنہا ذات پر اتنا ہجوم خدا کی پناہ نہ اتنی قوت تھی نہ مال تھا نہ اس قدر صحابہ اور رفقاء تھے ادھر ارشاد تھا۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ آپ اس وحی کے بعد صحابہؓ میں تشریف لائے اُس زمانہ میں صحابہ جناب کی حفاظت کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا جاؤ اب کسی کی حاجت نہیں اب حافظ حقیقی میرا نگہبان ہی ہیں تنہا کام کرونگا ایک بے سامان شخص کے واسطے ایسی اولوالعزمی بہت مشکل کام ہے پھر دیکھئے قدرت حق کا نمونہ کہ سب لوگ آپکی ساتھ ہوئے اور سب متفق ہو کر بود وباش کرنے لگے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اتفاق مطلقاً مطلوب نہیں ورنہ ایسا اتفاق تو حضور کو قبل از ادعاء نبوت حاصل ہی تھا بلکہ اتفاق وہی معتبر ہے جس میں اہل باطل کو اہل حق کے ساتھ متفق کیا جائے جیسے کہ اس مقصد میں حضور کو بعد از تبلیغ کامیابی ہوئی اسیواسطے آیت میں اجتمعوا کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ واعتصموا بحبل اللہ فرمایا جیسے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مطلق اجتماع مراد نہیں بلکہ وہ اجتماع جس میں دین اللہ ہو وہ مطلوب ہے اور دین اللہ ہی مطلوب وغیر مطلوب کا معیار ہے جس اجتماع میں دین اللہ فوت ہوتا ہو اُسکو دور ہی سے سلام کرنا چاہئے اگرچہ ساری قوم کے خلاف وضع اختیار کرنی پڑے مگر دین اللہ سے ہرگز منہ نہ موڑے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص حق پر ہو اُسکو اتفاق کی کوشش کی ضرورت نہیں بلکہ بس حق پر قائم رہنے کی ضرورت ہے دیکھو مقناطیس کو جذب حدید میں کسی عملی تدبیر کی ضرورت نہیں بلکہ قدرۃً اس میں کشش آہن کا مادہ موجود ہے اسیطرح حق میں فطری تاثیر ہے کہ باطل کو اپنی جانب منجذب کر لیتا ہے کسی سعی وتدبیر کی حاجت نہیں بجز قیام علی الحق کے اس سے باطل یا تو منعدم ہو جائیگا یا حق میں

منجذب ہو جائیگا۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون میں میرے ایک عزیز نے ترک رسوم کے بارہ میں ایک مجمع کیا اور کہا صاحب مصلحت شرعی وعرفی کا مقتضا یہی ہے کہ ان رسومات جہل کو اٹھا دینا چاہئے اور آپس میں معاہدہ کر لینا چاہئے کہ آئندہ نہ رسومات خود کریں گے نہ اور جگہ شریک ہونگے ایک صاحب نے اس سب وعظ و نصیحت کے بعد اٹھکر یہ کہدیا اجی کیا ہمارے بزرگ بے وقوف تھے جو یہ رسومات کرتے تھے ان کو اتنی عقل نہ تھی بس سب پر پانی پھیر دیا اور سب مجمع منتشر ہو گیا میں بھی اس مجمع میں تھا میں نے کہا اس طرح تو کامیابی مشکل معلوم ہوتی ہے ایک عملی اور شرعی تدبیر کرو۔ چنانچہ ایک تو میں نے رسوم کے بارہ میں اصلاح الرسوم ایک کتاب لکھی دوسرے یہ کہا کہ کسیکو کچھ مت کہو عمل شروع کردو سب درست ہو جاویں گے ہم نے اپنے گھر میں عمل شروع کیا رفتہ رفتہ سب قصبہ نے عمل شروع کر دیا اور بفضلہ اس بلا سے تمام قصبہ پاک ہو گیا اور اگر کہیں ہے بھی تو شاذ و نادر بلکہ خود رسوم کے کرنے والے بھی متاثر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں نہ معلوم وہ پہلی سی رونق کہاں گئی قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا اگر تم کسیکو راہ پر لانا چاہتے ہو تو اپنی اصلاح کر لو وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیگا اس کی پروا نہ کرے کہ اگر ہم اپنی اصلاح کریں گے تو لوگ طعن و تشنیع کریں گے کہیں گے بڑے بزرگ بنے بڑے مولوی صاحب ہیں بلکہ لا یخافون لومۃ لائم کو مد نظر رکھنا چاہئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے جو اسلام پھیلا وہ ان کی اصلاح نفوس کی وجہ سے پھیلا یہ جو لوگ مشہور کرتے ہیں کہ اسلام شمشیر کے ذریعہ سے پھیلا بالکل غلط ہے شمشیر کا اسلام قلب میں نہیں اترتا وہ تو لسان ہی پر مقصور رہتا ہے یہ بات کہ صمیم قلب میں گھس جائے ادیان باطلہ سے نفرت ہو جائے صرف اصلاح باطن ہی سے ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں فارس کا ہرمزان شہزادہ گرفتار ہو کر آیا اسلام کے قاعدہ کے موافق اوس پر اسلام کو پیش کیا اس نے قبول کرنے سے انکار کیا اور مطیع ہو کر رہنے سے بھی حضرت عمرؓ نے قتل کا حکم دیا اس نے درخواست کی کہ مجھکو تھوڑا سا پانی پلا دیجئے تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ

کہ آسانی اور سہولت سے قتل کیا کرو اسلئے حضرت عمر نے پانی پینے کی اجازت دی
اُس نے گلاس منہ سے لگاکر علیحدہ کرلیا اور کانپنے لگا سبب پوچھا کہا مجھکو اندیشہ ہے کہ
کہیں پانی پیتے ہوئے میری گردن پر تلوار نہ چلے آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ ہوگا اُسنے
کہا اچھا وعدہ کر لیجئے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پیوں قتل نہ ہوں آپ نے سادگی
سے وعدہ کرلیا آپ کو اسکی کید مضمر کی کچھ خبر نہ تھی اُس نے عہد لیتے ہی پانی زمین پر
پھینک دیا کہ نہ قیامت تک یہ پانی ہوگا نہ میں پیونگا اور نہ قتل ہوں گا حضرت عمرؓ
بہت حیران ہوئے اور فرمایا کہ جاؤ بے فکر رہو ہم وعدہ خلافی نہیں کریں گے اُسنے فوراً
ہی خلوص دل سے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ
اور کہا کہ میں نے یہ حرکت اس وجہ سے کی تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ میں نے شمشیر کے خوف
سے اسلام نہیں قبول کیا اور نہ مجھے اسلام کے قبول کرنے میں کچھ دباؤ ہوا ورنہ مسلمان
تو میں پہلے ہی ہو چکا تھا کفار نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ شمشیر سے کام نہیں لیتے کیونکہ جنگ
سے دوسروں کے اخلاق پر کیسے اثر ہو سکتا ہے یہ لوگ اخلاق ہی سے اسلام
پھیلاتے ہیں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں آپ کی ایک
زرہ گم ہوگئی آپ نے اُسکو ایک یہودی کے پاس دیکھا جو ہر اعتبار سے ذلیل تھا آپنے
اُس سے فرمایا کہ زرہ میری ہے اُسنے کہا ہماری ہی اور دینے سے انکار کردیا دیکھئے
آزادی قابل غور ہے جانتا تھا کہ یہ لوگ عادل ہیں بغیر حجت کے کبھی دار و گیر نہ کریں
گے اسیوجہ سے اس قدر گستاخی سے پیش آیا اور کہا جائیے نالش کیجئے حضرت
شریح تابعی قاضی تھے اور حضرت علی کے ماتحت حضرت علی اُن کے دار القضا میں گئے
دیکھئے حضرت علی کی تواضع کہ خود باوجود خلیفۃ المسلمین ہونے کے دار القضا میں تشریف
لے گئے یہ نہیں کیا کہ قاضی صاحب کو بلوا لیتے باقاعدہ دعویٰ کیا حضرت شریح نے
بمقتضائے البینۃ علی المدعی حضرت علی سے گواہ طلب کئے دیکھئے اسلام کے آزادی
اسلام کا عدل و انصاف کہ خود ملازم نے بادشاہ سے اسیطور پر ثبوت مانگا جیسا
کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے مانگا جاتا ہے حضرت علی نے ایک تو حضرت حسن

کو پیش کیا دوسرا آپ کا آزاد کردہ ایک غلام تھا حضرت شریح نے فرمایا کہ غلام کی شہادت تو مقبول ہے کیونکہ آزاد کردہ ہے البتہ آپ کے لئے حضرت حسن کی شہادت حجت نہیں ہے لہٰذا دعویٰ خارج کیا گیا یہ مسئلہ اجتہادی ہے حضرت علیؓ بیٹے کی شہادت باپ کے لئے حجت مانتے تھے اسیلئے اونکو پیش کیا حضرت شریح نہ مانتے تھے اس لئے قبول نہیں کیا حضرت علی ہنسی خوشی دار القضاء سے باہر تشریف لے آئے یہودی بھی آپ کے پاس آیا اور کہا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله کہا مجھکو مذہب اسلام کی حقانیت ثابت ہوگئی کہ آپ نے اپنی زرہ پہچانی آپ نے مجھ سے زبردستی نہ لی قاضی نے ڈگری مجھے دی اور آپ چین بجبیں نہوئے اس کے بعد زرہ واپس کردی اور خدام میں داخل ہوگیا اس طرز عمل سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں اس واقعہ میں اُنھوں نے کون سی شمشیر زنی کی تھی دیکھئے ایک زمانہ تو وہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو دیکھکر اسلام کی طرف رغبت کرتے تھے ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ ہمکو دیکھکر مسلمین بھی نفرت کرتے ہیں چنانچہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کے زمانہ میں کسی نے ایک مجوسی سے کہا کہ تو مسلمان ہوجا اُس نے جواب میں کہا اگر بایزید جیسا مسلمان ہونا مراد ہے تو یہ مجھے مشکل ہے اور اگر تم جیسا ہونا مراد ہے تو تم سے تو میں ہی اچھا ہوں خیر یہ تو اُس کی حماقت تھی کہ مجوسیت کو اسلام پر ترجیح دیتا تھا خواہ وہ کسیدرجہ کا اسلام ہو لیکن مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ بعض لوگوں کے اسلام کو کفار بھی پسند نہیں کرتے حاصل یہ ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا دیکھو ہم لوگوں میں گو وہ بات نہیں ہے اور اسلام کے ویسے محاسن ہم میں نہیں تاہم ہمیں کو دیکھ دیکھکر سیکڑوں مسلمان ہوتے ہیں تو اب ان کے گردن پر کون تلوار رکھتا ہے یہ صرف اسلام کی حقانیت ہے البتہ آج کل اہل اسلام ضرور ضعیف ہیں باقی اسلام میں وہی قوت ہے وہی کشش ہے یہ اُسیکا اثر ہے کہ جن لوگوں نے ابتداء اسلام میں اسلام قبول کیا تھا اُن پر کیا کیا آفتیں نہ آئیں تلواریں چلیں خاندان چھوٹے مال و دولت و جاہ ہاتھ سے گئی لیکن سب کو گوارا کیا اُنپر کون سی تلوار چلی تھی البتہ جن لوگوں نے جانکر شرارت سے انہیں مزاحمت کی

اون کے لئے یہ قانون مقرر کرنا ضرور تھا کہ یا اسلام ہو یا استسلام ہو کہ باج گذار خراج گذار ہو کے رہو حلقہ اطاعت وانقیاد اپنے گوش میں آویزان کرو یا مسلمان ہو کر لذت دارین حاصل کرو ورنہ تلوار کے گھاٹ اُترو ورنہ دیکھئے سب میں پہلے اسلام کا ایک جز تھی یعنی فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تو کیا وہ ایک ذات تلوار سی سب کا مقابلہ کر سکتی تھی اصل سبب اوس ذات کی برکت تھی جس نے تمام عرب عجم فارس۔ روم یورپ ہند میں اسلام کے پرچم اُڑائے جس کے نشانات اب تک ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں سہ

ہنوز آں ابر رحمت در فشانست خم و خمخانہ با مہر و نشانست

اب تک وہی آب تاب ہے اس لئے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ اسلام ضعیف نہیں بلکہ اہل اسلام ضعیف ہیں اسلام کے اندر جو کسیکو ضعف معلوم ہوتا ہے وہ فی الحقیقت اپنا ضعف ہے ہمارے قصبہ میں ایک گنوار عورت اپنے بچہ کو پاخانہ کرا کر چاند دیکھنے کو اٹھی اتفاق سے ناخن میں کچھ پاخانہ لگا رہ گیا تھا انگلی کو ناک پر رکھا جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے

تو ناخن میں سے پاخانہ کی بو آئی کہنے لگی اوئی اب کے کیسا سڑا چاند نکلا ہی سو ایسے ہی ضعف اپنے اندر ہی مگر اسلام کے سر چیپتے ہیں اسلام کی حقیقت تو عقائد اور دیانات معاملات معاشرات اعمال ہے سو ان احکام میں کیا ضعف آگیا اس میں ضعف خلط مبحث سے ہوتا ہی سو اسلام اس سے بالکل محفوظ ہے حق و باطل تمامتر متمیز ہے اسلام آئینہ کی طرح صاف ہی اس میں میل کا نام نہیں دیکھئے جتنی کتابیں ہیں سب میں تحریف ہی لیکن قرآن پاک ہی کہ اس میں ایک نقطہ کا بھی رد و بدل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہی انا لہ لحافظون ارشاد ہی اور دیکھو کہ قرآن پاک کے لاکھوں کروڑوں حافظ ہیں۔ اگر ایک بڑے سے بڑا مولوی غلطی کرے ایک بچہ روک سکتا ہی یہ کیفیت ہی کتاب اللہ کی اور ہر دین کی خدمت کتابوں اور اون کتابوں کے حاملین سے ہوتی ہے سو اسلام کی تمام تعلیمیں مدون ہیں اور اہل حق ہمیشہ رہیں گے

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے۔ لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خالفھم۔

اب اس کے بعد بتاؤ کہ اسلام میں ضعف کہاں ہے البتہ اہل اسلام میں بیشک ضعف ہے جس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ کھانا اچھا عمدہ موجود ہے لیکن کھانے والا بیمار ہے کہ بُرا معلوم ہوتا ہے یا کھانے والے کو صفرا ہوا ہے کہ کڑوا معلوم ہوتا ہے تو اب خرابی کھانے میں ہے یا کھانے والے میں اسیطرح مسلمان ضعیف ہیں یا اسلام ضعیف ہے ؎

هنوز آن ابر رحمت درفشانست　　　خم وخمخانہ با مہر ونشانست

یہ تو قوت اسلام کی لمی دلیل تھی اور اسلام کے مضبوط ہونے کی دلیل انی یہ ہے کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ذرہ کمزور نہیں رہتا تو اگر دین میں یہ اثر نہیں تو یہ قوت کہاں سے آئی اگر لاٹھی مضبوط نہ ہو تو انسان بے خوف نہیں چل سکتا اور اگر لاٹھی مضبوط ہو تو انسان بیخوف وخطر چلا جاتا ہے اسلام میں اگر طاقت نہ ہو تو انسان خوف کرے لیکن اسلام کی طاقت تو روز بروز ترقی پر رہتی ہے اسی لئے معلم کامل کی حالت پیرانہ سالی میں یہ رہتی ہے ؎

خود قوی تر میشود خمر کہن　　　خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

اور فرماتے ہیں ؎

ہر چند پیر وخستہ وبس ناتوان شدم　　　ہر گہ نظر بروی تو کردم جوان شدم

میں نے دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب باوجود ضعف کے جب کچھ بیان فرماتے تھے تو بہت بلند آواز سے فرماتے تھے اور گھنٹوں بیان کیا کرتے تھے حالانکہ بعد میں آہ آہ کرنے لگتے تھے میری موجودگی میں مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی کی عمر سو سال سے زیادہ تھی ایک مرتبہ فجر کے وقت خوب سردی کے زمانے میں خادم سے کہا کہ غسلخانہ میں گھڑا رکھدے مجھے کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے پھر کھلے غسلخانہ میں کھڑے نہائے اور خود آکر امامت کی تو اس عمر میں اول تو شبہ ہی مستبعد ہے دوسرے ایسے موقع میں نہانا پھر امامت کرنا سب باتیں طاقت کی علامتیں ہیں گو یہ ضروری نہیں کہ جسمی قوت بھی ہو مگر روحی طاقت تو ضرور

ہوتی ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے روحی اثر جسمی طاقت کو بھی تا دیر قائم رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے بزرگ باہمت ہوتے ہیں اُن میں ضعف اور بوداپن نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق میں بڑی قوت ہے۔

بعض لوگ اسلام کے مثال بیوہ عورت سے دیتے ہیں کہ اس وقت اوسکا کوئی اعانت کرنے والا نہیں ہے بالکل غریب و محتاج ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اسلام محتاج نہیں اور نہ کسی شخص کا اسلام کی خدمت سے اسلام پر احسان ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اگر تم سلطان کی خدمت کرتے ہو تو تمکو احسان نہ رکھنا چاہئے بلکہ خود سلطان کا احسان ماننا چاہئے کہ تم کو خدمت میں رکھا اسلام کا احسان ہے کہ تم کو خادم بنایا اسلام کسی ذات کے وجود و عدم پر موقوف نہیں دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا حضور کے تشریف لیجانے سے اسلام کا نشان تک نہ رہتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور برکات حضور کی اب تک موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تشریف بری سے اسلام میں کچھ تذبذب نہ آیا تو اور کسی شخص کے معدوم ہوجانے سے اسلام پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور جسکو زعم ہو وہ چھوڑ کر دیکھلے بعض لوگ چندہ دیکر احسان کہا کرتے ہیں وہ چندہ موقوف کر کے دیکھ لیں کہ خدا کا کام انجام پذیر ہوتا ہے یا نہیں ہاں ہم اس کے ذمہ دار نہیں کہ وہ کام اوسی جگہ انجام پذیر ہو یہاں نہیں اور کسی جگہ ہوگا مگر ہوگا دیکھو گورنمنٹ کے محکمے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ بالکلیہ ہی معدوم ہوجاویں دوسری جگہ قائم ہوجاتے ہیں مثلاً پولیس کا محکمہ ہے کہ ایک گاؤں سے توڑ دیا جاتا ہے مگر دوسری پولیس سے اُس گاؤں کا انتظام متعلق ہوجاتا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ بستی کا مدرسہ تو ٹوٹ گیا تو بھائی دوسری جگہ کے مدرسہ سے اس بستی کی تعلیم کا انتظام ہوگیا انعدام نہیں ہوا انتقال ہوا ہے جیسے سرکاری محکمہ جات منتقل ہوتے رہتے ہیں اسیطرح خداوندی محکمے بھی منتقل ہوتے ہیں

خلاصہ یہ کہ دین کا چراغ بجھ نہیں سکتا وہ ہمیشہ روشن رہتا ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

تو چراغ تو نہیں بجھتا البتہ ایسا ہوتا ہے کہ باد مخالف کے جھونکے کی وجہ سے یا کسی کی ناقدری کی وجہ سے کہ اُس کی گل کرنے کی فکر میں لگ گئے اس طاق میں سے دوسرے طاق میں رکھدیا جاتا ہے اور تبدیل طاق میں چراغ کی کوئی مصلحت نہیں اوسجگہ کے لوگوں کی مصلحت سے ایسا کیا گیا کہ یہ روشنی سے محروم نہ ہوں یا اس وجہ سے کہ مبادا یہ نادان اپنے ہاتھ پر نہ جلالیں۔

ایک مرتبہ بچپن میں میں اور میرے ایک اور عزیز کہ وہ بھی بچے تھے گھر میں شرارت کرنے لگے اور چراغ کو پھونک مار کر گل کرنے لگے گھر والوں نے اُسکو ایسی جگہ رکھدیا کہ پھونک نہ پہونچ سکے ہم نے ٹوپی اُچھالنا شروع کر دی اُنھوں نے اور اونچا رکھدیا تو مقصود یہ ہے کہ بیقدری کرنے کی بدولت ان سرکشی کرنے والوں سے چراغ دور ہو جاتا ہے بجھتا نہیں۔ بعض بزرگوں کی کرامت منقول ہے کہ آندھی سے اون کا چراغ نہیں بجھتا تھا تو اللہ میاں کے چراغ کو کون بجھا سکتا ہے ؎

چراغی را کہ ایزد برفروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

اس ریشش بسوزد پر مجھکو لطیفہ کے طور پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک احمق نے کسی کتاب میں دیکھا کہ جس شخص کی ڈاڑھی لمبی اور سر چھوٹا ہو وہ بیوقوف ہوتا ہے آپکو شبہ ہوا آئینہ میں چہرہ مبارک ملاحظہ فرمایا اپنی صورت پر حماقت کی علامت کو منطبق پایا آپ کو درستی کی فکر ہوئی قینچی وغیرہ تلاش کی کچھ نہ ملا مجبور ہو کر داڑھی کو چراغ کے سامنے کر دیا کیونکہ سر تو بڑا کر نہیں سکتے تھے ڈاڑھی کو چھوٹا کرنے لگے جتنی ڈاڑھی باقی رکھنا تھی اُسکو مٹھی میں لیلیا باقی کو جلانے کے واسطے چراغ پر رکھنا تھا کہ آگ کی لپٹ سے ہاتھ علیحدہ ہو گیا اور ڈاڑھی کا صفایا ہو گیا۔ احمق تھا نا علامت کو علت سمجھا کہ رفع علت مستلزم ہے رفع معلول کو دوسری بے عقلی یہ کی کہ اس قدر عجلت سے کام لیا خیر بعد میں مقر ہوئے کہ واقعی کتاب میں سچ لکھا تھا

میں ضرور احمق ہوں ہاں اس ڈاڑھی کے جلنے کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ اتنی سمجھ فوراً آ گئی کہ میں احمق ہوں علامت کے دفعہ ہوتے ہی حماقت معلوم ہو گئی اسی طرح چراغ خداوندی کو بجھانے والے کی ریش جلجاتی ہے تو مقصود یہ ہے کہ اللہ میاں بندوں کی مصلحت کی وجہ سے مقام تبدیل فرماتے ہیں اسی راز کو سمجھکر محقق مشایخ کسی خلیفہ کو سجادہ نشین نہیں بناتے بلکہ جو شخص کسی جگہ ہو اُس مقام کو حاصل کرلے وہی سجادہ نشین ہے اور اس سجادہ پر بیٹھنے سے صاحب مقام تھوڑا ہی بنتا ہے وہ تو مقام باطن ہے خواہ ہرات میں ہو خواہ کوفہ بصرہ میں ایک خوب لطیفہ یاد آیا ایک صاحب علم کو حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے پاس بیٹھنے کو فرمایا وہ تواضع کرنے لگے اور کہنے لگے

دلانا بزرگی نیاری بدست بجائے بزرگاں نباید نشست۔

فرمایا جائے بزرگاں سے مراد یہ حسی جگہ نہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اُن سے مساوات کا دعویٰ نہ کرے اور جگہ میں کیا رکھا ہے اور اگر جائے بزرگان سے یہی مقام مراد ہے تو پھر اس میں تفصیل ہے کسی ظریف نے تو بلا تفصیل اسکی جگہ یہ کہا ہے

بجائے بزرگاں بباید نشست کہ شاید بزرگی بیاید بدست،

خیر یہ تو شاعری ہے مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بزرگ کہیں تو بیٹھ جائے ورنہ نہ بیٹھے کیونکہ بے ادبی ہے جبکہ وہ جگہ اُنہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسے تکیہ مسند ورنہ بغیر کہے بھی کچھ حرج نہیں مولانا رفیع الدین صاحب دیوبند میں چارپائی پر پائنتی کی جانب بیٹھے تھے میں حاضر ہوا تو سرہانے بٹھلانے لگے میں نے عذر کیا تو مولانا نے فرمایا کہ کہنے کے بعد انکار نہیں کرنا چاہئے اور اس کی تائید میں یہ حکایت بیان فرمائی (یا شاید میں نے کسی اور سے سُنی ہی کچھ شک ہو گیا ہے) کہ دارا شکوہ اور عالمگیر میں اختلاف تھا اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ تخت و تاج میرے قبضہ میں ہو اور اسکی مختلف تدابیر میں مصروف رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ دارا شکوہ کو ایک صاحب حال درویش کا پتہ لگا اُسکی خدمت میں جا کر مودب کھڑا ہو گیا اُسنے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں بیٹھنے کو کہا دارا شکوہ نے ادب کے سبب عذر کر دیا کیونکہ یہ درویشوں کے بیحد معتقد تھے خیر وہ اپنی جگہ

بیٹھ گئے پھر داراشکوہ نے تخت کی واسطے کہا درویش صاحب نے فرمایا کہ میں تو تخت پر بٹھلاتا تھا مگر تو نے انکار ہی کر دیا بہت افسوس ہوا اور اُسنے کسی سے نہیں کہا کہیں عالمگیر کو خبر نہو جائے۔ پھران صاحب حال کا عالمگیر کو پتہ چلا داراشکوہ تو جاہل تھے اور عالمگیر عالم بھی گو داراشکوہ کتابی علم رکھتا تھا مگر اوسکی حقیقت صرف زبان دانی ہی۔ زبان دانی دوسری شے ہے اور علم دوسری چیز زبان دان تو سب سے زیادہ عرب میں ابوجہل تھا (ابن جہل بھی نہیں) غرض جب عالمگیر اُن کے پاس پہونچے وہ تعظیم کو کھڑے ہوگئے اور اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں اُن سے بھی بیٹھنے کو کہا یہ بے تکلف جا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ تخت و تاج دلوایئے فرمایا تخت پر تو تم بیٹھے ہی ہوا اور تاج میرے قبضہ نہیں ہے پوچھا وہ کس کے متعلق ہی کہا وہ تمہارے فلاں خدمتگار کے قبضہ میں ہے وہ اگر تمہارے سر پر ٹوپی یا عمامہ رکھدے تو بس تاج ملگیا دیکھئے ایک خدمتگار کو تاج بخشی کی طاقت حاصل ہی ؎

ہمیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم	شہان بے کمر و خسروان بے کلہند
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں	کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم
خاکساران جہاں را بحقارت منگر	تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

اُنھوں نے اُس خدمت گار کا نام وغیرہ پورا پتہ بتا دیا پھر مکان واپس آکر اُس خدمتگار کو بلایا اُسی آن بان سے اور اُسی صولت و شوکت سے جب وہ آیا کہا وضو کے واسطے پانی لاؤ زبردستی وضو کرنا شروع کر دیا نہ وقت تھا نہ ضرورت تھی عمامہ اُتار کر علیحدہ کر دیا۔ پھر تولیہ منگائی اُس کے بعد کہا ہماری سر پر عمامہ رکھدو اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا میری کیا مجال عمامہ کو ہاتھ لگاؤں اوس کو ڈانٹ بتلائی کہ نہیں جو ہم حکم دیتے ہیں کرنا پڑیگا جناب زبردستی اُس سے تاج لے لیا وہ بیچارہ عمامہ رکھکر اُس فقیر کو کوستا ہوا چلا گیا کہ خدا اُس فقیر کا ناس کرے جسنے مجھے رسوا کیا یہ مضمون استطراداً اُس شعر کی تفسیر پر آگیا تھا۔ بجائے بزرگان نباید نشست۔ اصل مضمون یہ تھا کہ جو شخص خدمت دین میں خلیفہ ہوتا ہے وہ حقیقی مقام نشین ہوتا ہی اوسکو گدی سے بلکہ گدھے سے بھی تعلق نہیں ہوتا آج کل تو سجادہ نشینی کی محض رسم رہ گئی ہی بزرگی وغیرہ سب رخصت ہوگئی فقط دکانداری باقی ہے۔

بعض نابالغ بچے بھی سجادہ نشین کئے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ مریدین (دس تار) دستار باندھ کر سجادہ نشین بنا دیتے ہیں حالانکہ وہاں ایک تار بھی نہیں ہوتا مگر ہے یہ اچھی بزرگی کہ مریدین سے حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دین کو کسی خادم کی ضرورت نہیں جس خادم کو شرف حاصل کرنا ہو وہ اپنی غرض سے اوسکی خدمت کرے سب ہی ظاہری اعانت اور اوس کا دخل اوسکی بقا میں تو اُسکا بھی امتحان کر لو اور دینا بند کر کے دیکھ لو معلوم ہو جاویگا کہ کسی پر تو دار و مدار نہیں ہے جب یہ ہے تو اہل مدرسہ کو بھی چاہئے استغنا سے کام لیں۔

اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ بڑے پیمانہ پر کام نہ سہی مختصر ہی تجویز کر لو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مدرسہ وطلبہ اہل دنیا کے نظروں میں حقیر نہ ہونگے جیسا آج کل حقارت کا مرض وباء عام کی طرح پھیل رہا ہے ایک تحصیلدار صاحب کے یہاں ایک طالب علم مدرسہ کے کھانا لینے جایا کرتی اور انتظار میں بہت بیٹھنا پڑتا ایکدفعہ اُنہوں نے تحصیلدار صاحب سے کہا کہ آپ کا لڑکا بہت کھیلا کرتا ہے کہئے تو میں یہاں بیٹھنے کیوقت اسکو کچھ عربی پڑھا دیا کروں فرمایا مولانا عربی پڑھنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ آپ نے عربی پڑھی تو میرے دروازہ پر روٹی مانگنے آئے یہ عربی پڑھیگا تو آپ کے دروازہ پر مانگنے جائیگا دیکھئے یہ نتیجہ ہوتا ہے امراء کے دروازہ پر جانے کا دین کی عظمت کا مقتضا تو یہ تھا کہ اُس کے بعد سے وہاں نہ جاتے اور انکار کر دیتے اور خدا پر توکل کر کے بیٹھ رہتے ؎

ہیں توکل کن ملرزان پاؤ دست | رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است

کسی حکیم نے کہا ہے ؎

بے مگس ہرگز نماند عنکبوت | رزق را روزی رسان پر می دہد

کہ رزق کے پر لگا دئے جاتے ہیں اور بغیر طلب کے ملتا ہے۔ ع

حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد۔ افسوس ایک دو نان کیواسطے دو نان کیطرح ذلت اُٹھا سہیجائے

؎ بئس المطاعم حین الذل تکسبها | فالقدر منتصب والقدر مخفوض

قدر کے معنی ہانڈی کے ہیں اور قدر آبرو کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اُس قسم کے مطاعم سے ہانڈی تو بلند

ہوتی ہے لیکن آبرو گھٹ جاتی ہے۔ تو چندہ کے لئے کسی کے درپے مت ہو خطاب خصوصیت سے بالکل دست بردار ہو جاؤ ضروریات مدرسہ کا صرف اعلان عام کر دو چلنا پھرنا چھوڑ و ایک جگہ آرام سے بیٹھ رہو بس اگر چندہ زیادہ ہو کام زیادہ کرو اگر چندہ کم ہو تو کم کام کرو چندہ ختم ہو جائے کام ختم کر دو تم ذرا ہمت کر کے تھوڑے دنوں اس پر عمل کر دو دیکھو تو خود بخود چندہ آنے لگے گا جیسا استغنی عن الدنیا کے لئے وعدہ نبوی ہے اتتہ الدنیا وھی راغمۃ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اس پر فرماتے تھے کہ ہم نے اس کا منظر حضرت مولانا قاسم صاحب کے یہاں دیکھا ہے کہ بڑے بڑے امراء وعہدہ دار ڈپٹی کلکٹر وغیرہ خدمت میں آیا کرتے اور مولانا حجرہ میں ہوتے تو ان کے انتظار میں حجرہ کے باہر ٹوٹے پھوٹے گرد آلود بوریہ پر بیٹھتے یہ تو اہل استغناء کی حالت ہے اور جو لوگ مانگا کرتے ہیں لوگ ان کے آنے سے گھبراتے ہیں سمجھتے ہیں کہ بس اب چندہ مانگیں گے ان سے پوشیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جس قدر کام اعزاز دین کی حفاظت رکھتے ہوئے ہو سکے وہ کام کرو زیادہ فکر میں مبتلا نہ ہو کیونکہ یہ تو سرکاری محکمہ ہے اس میں تبدل وعزل سب کچھ ہوتا رہتا ہے اسکو روزی کا وسیلہ سمجھنا خواہ مخواہ موجب شبہ ہوتا ہے اگر تم حق پر ہو تو حق تو خود سبکو جذب کر لیگا۔ تمکو کسیکے در پر جانیکی حاجت نہ ہوگی اور یہی ہے حبل اللہ یعنی دین کی قوت جو سبکو اپنی جانب کھینچتی ہے بس اب تم خدا کے ہو جاؤ خدا خود سامان کریگا اور اسی پر توکل کرو ورنہ سمجھا جائیگا کہ تم خدا کے معتقد نہیں اور تمہاری مثال اس حکایت کی طرح ہو جائیگی کہ ایک مولوی صاحب بسم اللہ کی فضائل بیان کر رہے تھے کہ جو کام بسم اللہ پڑھ کر کیا جائے اسمیں بیحد برکت ہوتی ہے وہ خوب اچھا ہوتا ہے ایک گھسیارہ سنکر بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا یہ نسخہ ہاتھ لگا روز دریا سے پار اترنے کا پیسہ دینا پڑتا تھا اب پیسہ روز بچیگا چنانچہ وہ پانی میں سے بسم اللہ پڑھ کے پار ہو جاتا تھا اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا تھا اسنے ان مولوی صاحب کی دعوت کی کہ جنکی بدولت یہ دولت ملی ہے انکی دعوت تو کرنا چاہئے جب مکان کو لیچلا راستہ میں دریا آیا مولوی صاحب رک گئے اس نے کہا مولوی صاحب چلو مولوی صاحب نے فرمایا کشتی تو ہے نہیں کیسے چلوں اسنے کہا جی بسم اللہ پڑھ کر چلئے اس دن آپ ہی نے تو وعظ میں مجھے نسخہ بتایا تھا جب اسپر بھی مولوی صاحب کی ہمت نہ ہوئی تو

اُسنے کہا چلئے میں آپکو لیچلوں۔ چنانچہ مولوی صاحب کا بھی اُسی ہاتھ پکڑ کے پار کردیا مولوی صاحب نے فرمایا بھائی تو تو عامل ہے اور میں نرا عالم ہوں تو ایسے ہی ہم لوگ بتلاتے تو ہیں مگر ہمارے قلوب میں عظمت نہیں ہے جب تم ہی اپنے عقائد پر مستقیم نہ رہو گے تو دوسریکو کیا بلاؤ گے مگر خیر پھر بھی نہ بلانے سے بلانا اچھا ہے یہ وہ حبل اللہ ہے کہ .... جو شخص اس حبل اللہ کے ساتھ تمسک کرتا ہے اُس کے بارہ میں ارشاد ہے فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا کہ اُس کا تعلق قرب قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا بہر حال ضعف اسلام میں نہیں صرف اہل اسلام میں ہے سو ان اہل اسلام کی تقویت کیواسطے یہ ارشاد فرمایا ہے ولا تفرقوا کہ آپس میں تفرقہ اندازی نہ کرو اور اب دیر ہو جانے کے سبب میں ترجمہ کرکے اس مضمونکو ختم کئے دیتا ہوں واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اور تم حق تعالی کی نعمتونکو یاد کرو اذ کنتم اعداء جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے فالف بین قلوبکم تو تمہارے قلوب میں حق تعالی نے محبت و الفت کا تخم بودیا فاصبحتم بنعمتہ اخوانا تو تم اُسکے احسان سے بھائیوں جیسی محبت کرنے لگے وکنتم علی شفا حفرۃ من النار اور تم قعر جہنم کے کنارہ پر پہونچ چکے تھے فقط ایک گرنے کی دیر تھی فانقذکم منہا تو تمکو حق تعالی نے اُس سے نجات دی کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تہتدون حق تعالی تمکو کھلی کھلی علامتیں دکھاتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الخ یعنی ایک جماعت تم میں سے ایسی ہونا چاہئے جو داعی الی الخیر ہو یعنی دین کی بقا میں کوشاں ہو اور شرعی امور اور دینی معاملات کا انتظام کرے اور امۃ منکم اس لئے فرمایا کہ اگر سب یہی کرنے لگیں تو کھیتی کون کریگا اور نوکری تجارت وغیرہ کون کریگا یہ شریعت کا انتظام ہے کہ زراعت تجارت وغیرہ کو فرض کفایہ کیا ہے اگر سب چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں کیونکہ مجموعہ کو اسباب معیشت کی بھی حاجت ہے ورنہ سب ہلاک ہو جاویں اور نہ دنیا رہے نہ دین اور جو لوگ تارک اسباب ہیں اُنکی جمعیت و توکل بھی مباشرین اسباب ہی کی بدولت ہے گو اونکے آحاد کی تعیین نہیں مگر مجموعہ میں ایسے آحاد کا ہونا ضروری ہے خصوص ہم جیسے ضعفاء کے لئے تو اگر ظاہری سامان نہو تو تشویش سے دین ہی میں خلل پڑنے لگے ایک ظریف درویش کی مجلس میں کسی نے کسیکو دعا دی کہ ایمان کی سلامتی اور عاقبت بخیر نصیب ہو وہ درویش کہنے لگے اس کے معنے بھی جانتے ہو لوگوں نے کہا ترجمہ سے زیادہ تو معلوم نہیں اونہوں نے ظرافت سے کہا کہ ایمان کی سلامتی تو یہ ہے کہ روٹی اچھی طرح ملجائے اور عاقبت بخیر یہ ہے

کہ پاخانہ کھل کے ہو جاوے جب تک آرام سے بسر ہوتی ہے تب ہی تک ہمارا سب دینداری
تقوی طہارت ہے جو لوگ کماتے ہیں اُن ہی کی برکت سے یہ رتبہ حاصل ہے جنکو تم تحقیر امسکان
دنیا کہا کرتے ہو حالانکہ تم سوتیلان دنیا ہو یعنی وہ دنیا کے سگے ہیں اور تم سوتیلے ہو اسپر حکایت
یاد آئی کہ ایک چھوٹے بچے سے کسی نے پوچھا کہ فلاں شخص تمہارے سگے بھائی ہیں کہا اسکو
نہ کہئے سگ تو کتے کو کہتے ہیں حقیقی بھائی کہئے۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا سے سب کا تعلق ہے
کوئی سگا ہے کوئی سوتیلا اور مطلق تعلق مذموم بھی نہیں کیونکہ دنیا مطلقاً بری نہیں ہے بلکہ وہ دنیا
جو معصیت ہے صرف وہ بری ہے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے ولتکن فرمایا کونوا نہیں فرمایا جیسا
اوپر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا فرمایا اس لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ دین تو سب میں ہو لیکن ایسی ایک ہی
جماعت ہو جو مولویت ہی کا کام کریں اور کچھ دوسرا کام نہ کریں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ مولوی
لوگوں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ لوگ ترقی نہیں کرتے غلط ہے کیونکہ اہل علم کی ترقی یہ ہے کہ علم میں کمال
پیدا کریں اگر وہ تجارت میں مشغول ہو جاویں تو ظاہر ہے کہ علم ضائع ہو جائیگا جسکی بقا کی ضرورت
آیت ولتکن منکم بتلا رہی ہے جیسے کہ اہل تجارت اگر تحریر علمی میں مشغول ہوں تو تجارت ضائع ہو جائے
اب رہا مولویوں کے کھانیکا سوال تو اوس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو
خطاب فرماتے ہیں وأمر اهلك بالصلوة واصطبر عليها لا نسالك رزقا نحن نرزقك والعاقبة
للتقوى غرض ایک جماعت وعظ و تدریس وغیرہ کیواسطے ضرور وقف ہونا چاہئے اور اسکو رزق حق تعالیٰ
دینگے مجھکو ایک حکایت یاد آئی میرا ایک بھتیجا جو بہت ذکی ہے بالکل بچہ تھا میں نے اسکو بلایا اور پوچھا کہ بتلاؤ
عربی اچھی ہے یا انگریزی کہنے لگا کہ عربی اچھی ہے میں نے کہا عربی کیوں اچھی کہا کیونکہ قرآن شریف عربی
میں ہے میں نے پوچھا لیکن عربی پڑھ کر کھائے کہاں سے اسے سُنکر نہایت سنبھالکر جواب دیا جو
میں اُسی کے لفظوں میں نقل کرتا ہوں بات یہ ہے کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے وہ خدا کا ہو جاتا
ہے اور جب خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ اسے دو وہ دیتے ہیں
اور کھاتے ہیں میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے شخص کو ذلیل سمجھتے ہیں کہنے لگا ذلت تو جب
ہوتی کہ وہ کسی سے مانگتا وہ مانگتا ہے کب ہے لوگ تو ہاتھ جوڑ کر دیتے ہیں میں اس کا حیرت سے منہ تکتا تھا
کہ اس عمر میں اور یہ سمجھ ہ ~

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ٭

وہ اگرچہ آج کل انگریزی پڑھتا ہے لیکن اُس میں اب تک جب دین کا غلبہ ہے چنانچہ جب کبھی وہ پاس ہوتا ہے تو اسکول سے آکر مجھ سے دین کی باتیں پوچھا کرتا تھا میرا جی چاہتا ہے کہ ایسے لوگ دین کا کام کریں لیکن آجکل انتخاب غلط ہے جو فہم و ذکاء کے سبب عربی کے قابل ہوتا ہے اُسے انگریزی پڑھواتے ہیں اور جو احمق سمجھا جاتا ہے اوسکو عربی پڑھاتے ہیں غرضکہ ہر کام اُلٹا ہے یہ حکایت اس سوال کے جواب میں ہانکی ہے کہ کھائینگے کہاں سے اور یہ امور صرف دلائل ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں ذرا کرکے دیکھو تو کیسی سہولتیں ہوتی ہیں اور کسیکا احسان نہیں ہمنے دیکھا ہے کہ لوگ ہاتھ جوڑتے ہیں اور نہیں لیتے تو دلشکنی ہوتی ہے مولانا فتح محمد صاحب کیرانہ میں تھے ایک طالبعلم مثنوی شریف پڑھنے آیا آپ نے پوچھا کہ روٹی کہاں سے کھائیگا اُس نے کہا اللہ میاں روٹی دیگا ورنہ جان لے لیگا آپ نے فرمایا بیشک بھائی تو پڑھ لیگا چنانچہ اُسیوقت سے پڑھانا شروع کردیا اور اُسکی اسی روز سے دعوتیں ہونا شروع ہو گئیں کئی مہینے کیرانہ میں برابر دعوتیں کھاتا رہا اور اگر کوئی خوشی سے اہل دین کی خدمت نہ کرے تو مالک الملک اسباب ایسے مسلط کردیتے ہیں کہ جھک مار کر خدمت کرنا پڑتی ہے چنانچہ مولانا فتح محمد صاحب ہی نے حکایت بیان کی کہ پانی پت میں ایک طالب علم قاری عبد الرحمن صاحب کے پاس قرأت سیکھنے گیا وہاں اہل محلہ نے کھانیکا انتظام نہیں کیا اتفاقاً ایک آدمی مرگیا اور وہاں قاعدہ تھا کہ مردہ کے گھر سے چالیس دن تک کسی محتاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا بس اُن کا کھانا مقرر ہو گیا چالیس دن پورے نہ ہوئے تھے کہ دوسرا مرگیا اور اُس کے چلہ کے بعد تیسرا کہ اسکا قاری صاحب نے فرمایا یہ سب محلہ کو کھا جائیگا ورنہ اس کا کھانا مقرر کردو چنانچہ کھانا مقرر کردیا گیا حاصل یہ کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو اور پھر اُس سے دوسری شاخیں پھیلیں وعظ کی شاخ درس کی شاخ تصنیف کی شاخ تربیت باطن کی شاخ وغیرہ وغیرہ آگے اُس جماعت کی اور صفات ارشاد ہیں و یامرون بالمعروف کہ اچھے کاموں کا حکم بتادیں وینہون عن المنکر اور بُری کاموں سے روکیں واولئک ھم المفلحون یہی لوگ سعادت اور فلاح حاصل کرنیوالے ہیں ولاتکونوا کالذین تفرقوا سبحان اللہ کیا قرآن پاک کی بلاغت ہے اوپر تو خود تفرق سے نہی فرمائی اب یہاں

ارشاد ہی کہ تفرق کی مشابہت بھی نہ کرو کیونکہ مشابہت کرنی سے تم متفرقین کی طرح بن جاؤ گی
چنانچہ حدیث میں ارشاد ہی من تشبہ بقوم فھو منھم گو بعض لوگوں نی اس حدیث کی تضعیف کی ہی
لیکن آیت تو ضعیف نہیں خوب سمجھ لو آیت کی معنی یہ ہوگئی کہ لا تکونوا کالکفار کیونکہ الذین تفرقوا
کا مصداق کفار ہی ہیں اور یہ ممانعت اعمال میں بھی جو ہر وقت مشاہد نہیں ہیں اور جو امور ہر وقت
ظاہر رہتی ہیں جیسے لباس وغیرہ تو ان میں مشابہت کیسے جائز ہو سکتی ہی اب میں پھر ترجمہ شروع
کرتا ہوں واختلفوا من بعد ماجاءتھم البینات اور انہوں نے کھلی کھلی نشانیاں دیکھنی
کی بعد باہم اختلاف کیا واولئک لھم عذاب عظیم اور ایسے لوگوں کی واسطے بہت بڑا عذاب
ہے یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ یہ عذاب اس دن ہو گا جس میں بہت سے چہری سیاہ ہو جاوینگی بہت سے
سپید ہو جاویں گے فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم سیاہ چہرہ والوں سے
خطاب ہو گا کیا تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے اور ایمان سے مراد ایمان فطری ہی جسکی بابت
ارشاد ہی کل مولود یولد علی الفطرۃ فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون تو اب تم
اپنے کفر کے عوض میں عذاب بھگتو۔ واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم
فیھا خالدون اور سپید چہرہ والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ ہمیشہ اسی
میں رہیں گے حاصل کلام یہ ہی کہ ان آیات میں مسلمانوں کے واسطے اتفاق کی تعلیم ہی
کہ دین کے واسطے ہو اور علماء کی اتباع کی ساتھ ہو کیونکہ اگر عوام علماء کا اتباع نہ کریں تو پھر
کوئی دوسری صورت ہی نہیں پس مسلمانوں کی دو جماعتیں ہیں ایک خواص ایک عوام
دین پر قائم رہنا تو واجب مشترک ہی اس کے بعد عوام کے ذمہ یہ ہی کہ علماء کی تعلیم کے موافق
عمل کریں اور خواص کی خدمت یہ ہے کہ ان کو بتائیں اب بفضلہ سب ضروری اجزاء بیان ہو گئی
میں نے کلی مضامین بیان کر دئے تاکہ جزئیات پر منطبق کر لیا جائے ورنہ جزئیات
تو کتابوں میں موجود ہیں نیز کلیات کے بعد جزئیات کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہی
اب میں دعا کرتا ہوں سب صاحب دعا فرمائیے۔